Regd.# MC-1366

دینی اخلاق اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

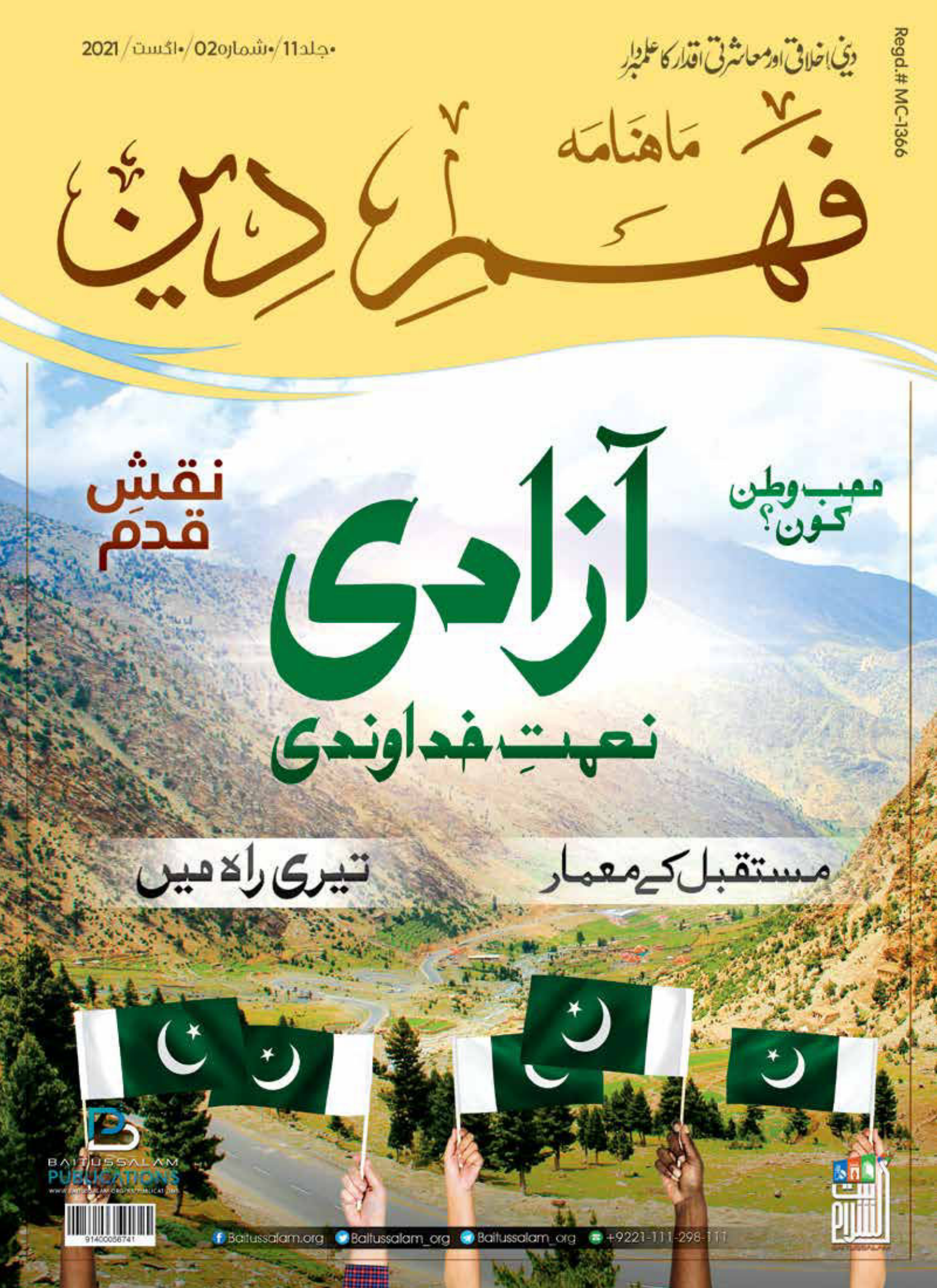

•جلد11/•شمارہ02/•اگست/2021

ماہنامہ

فہمِ دین

BAITUSSALAM PUBLICATIONS

Available on the App Store

GET IT ON Google Play

بیت السلام پبلیکیشن
کے تمام میگزین
ایک کلک کے فاصلے پر

ماہنامہ فہم دین (اردو)
سہ ماہی مجلۃ السلام (عربی)
سہ ماہی انٹیلکٹ (انگلش)
ماہانہ ریڈینس (انگریزی)
نیوز بلیٹن (اردو ،انگریزی)

پلے اسٹور سے BAITUSSLAM
ایپ ڈاؤن لوڈ کیجیے اور ملاحظہ کیجیے

اس کے علاوہ اس ایپ میں آپ پائیں گے

- تلاوت کے لیے قرآن کریم کا نسخہ • نماز کے اوقات • قبلہ نما (دوران سفر سمت قبلہ جاننے کی سہولت)
- شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کے اصلاحی بیانات
- حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ کے تمام بیانات اور خطبات • اصلاحی مواعظ کے کتابچے
- اندرون و بیرون ملک بیت السلام کی تعلیمی اور رفاہی خدمات کی تفصیلات
- بیت السلام کی تعلیمی اور رفاہی خدمت میں شامل ہونے کی رہ نمائی
- اجتماعی قربانی میں حصہ لینے سمیت زکوۃ، صدقات اور عطیات کی رقوم آن لائن بھیجنے کی رہ نمائی

اور بھی بہت کچھ

BaitussalamWelfareTrust baitussalamwelfaretrust Baitussalam
baitussalam_org 923162881088 Baitussalam_Org

ماہ نامہ
فہمِ دین
کراچی

اگست 2021

فہم وفکر
نقشِ قدم — مدیر کے قلم سے — 04

اصلاحی سلسلہ
فہمِ قرآن — شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم — 05
فہمِ حدیث — مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ — 06
آئینہ زندگی — حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ — 08

مضامین
آزادی کی تلاش میں — حذیفہ رفیق — 10
حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا — ندا اختر — 11
مسائل پوچھیں اور سیکھیں — مفتی محمد توحید — 13
نئے صبح و شام پیدا کر — آسیہ عمران — 15
اعصابی امراض — حکیم شمیم احمد — 17
مستقبل کے معمار — انشا وقار — 19

خواتین اسلام
تیری راہ میں — زینب گوہر — 22
اصلاح مگر کیسے؟ — ام نسیبہ — 24
آؤ اک عہد کریں — ام محمد سلمان — 25
یہ اہلِ محبت!!! — امۃ اللہ — 26
یہ کیسی محبت ہے؟ — بنت ایوب مریم — 28
بلاعنوان — محمد فیصل علی — 29
محبِ وطن — سارہ عمر — 30
وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰہِ — قرات کلستان — 31

باغیچہ اطفال
یہ وطن ہمارا ہے — ام محمد عبد اللہ — 32
قائد کا پاکستان — اہلیہ محمد فیصل — 33
سعد منائے گا یوم آزادی — کبیر انور — 34
دو دشمن — فوزیہ خلیل — 35
روشن ستارہ — قرۃ العین خرم ہاشمی — 36
انوکھی 14 اگست — محمد احمد رضا انصاری — 37
حریم نے دے دیا — سلمان یوسف — 38
بچوں کے فن پارے — 40
انعامات ہی انعامات — 41

بزم ادب
عالی شان پاکستان — جوہر عباد — 42
اسلامی دستور — ذکی کیفی رحمہ اللہ — 43
گلدستہ — 44

اخبار السلام
مثالی وقف قربانی — خالد معین — 46

زیرِ سرپرستی
حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ

مدیر	محمد خرم شہزاد
نائب مدیر	قاری عبد الرحمٰن
نظرِ ثانی	طارق محمود
تزئین وآرائش	ایم اے کے انوویشن

آراء وتجاویز کے لیے
0304-0125750

ڈاک سے متعلق امور کے لیے
+92 330 624 9463 | 021-35393912

اشتہارات کے لیے
0314-2981344
marketing@baitussalam.org

خط وکتابت اور بذریعہ منی آرڈر رسالے کے اجرا کے لیے
26-C گراؤنڈ فلور سن سیٹ کمرشل اسٹریٹ نمبر 2، خیابان جامی،
بالمقابل بیت السلام مسجد، ڈیفنس فیز 4 کراچی

زرِ تعاون
فی شمارہ: 40 روپے
سالانہ فیس: 520 روپے
بیرون ملک بدل اشتراک: 35 ڈالر

ناشر: فیصل زبیر | مطبع: واسا پرنٹر | مقامِ اشاعت: دفتر فہم دین

نقشِ قدم

مدیر کے قلم سے

اللہ تعالیٰ کروڑوں رحمتیں نازل فرمائیں حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر رحمۃ اللہ علیہ پر اور اللہ تعالیٰ کروڑوں جزائے خیر عطا فرمائیں شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم کو؛ دونوں حضرات نے بڑوں کے ساتھ چلنے کا طریقہ سکھلا دیا۔ ڈاکٹر صاحب حضرت مولانا یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ جڑے اور نہ صرف یہ کہ اُن کی زندگی میں اُن کے ساتھ رہے، بلکہ دارِ فانی سے اُن کے کوچ کرنے کے بعد بھی اپنی پوری زندگی انہی کے نقشِ قدم پر چلتے رہے، حتیٰ کہ پینسٹھ سال درس وتدریس میں صَرف کر دیے اور اپنی زندگی کی 88 بہاریں گزار کر انہی کے پہلو میں ابدی نیند سو گئے۔ جَزَاهُمَا اللهُ خَيْرًا كَثِيْرًا فِي الدَّارِ الْاٰخِرَةِ

ابھی دو ماہ پہلے جون کا مہینا تھا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے صدر تھے اور پیرانہ سالی کی وجہ سے انتہائی ضعیف ہو گئے تھے۔ مدتِ صدارت مکمل ہو چکی تھی اور اگلی مدت کے لیے پھر سے وفاق المدارس کے صدر کا انتخاب ہونا تھا۔ اجلاس لاہور میں منعقد ہوا۔ ملک بھر سے ایک ہزار سے زیادہ علماء کرام اس اجلاس میں شریک ہوئے۔ اگلے صدر کون ہونے چاہییں؟ یہ اس اجلاس کا ایجنڈا تھا۔ بہت سوں کے دِل میں تھا کہ ڈاکٹر صاحب بہت ضعیف ہو چکے ہیں، اس لیے اگلی پانچ سالہ مدت کے لیے صدر کسی اور کو بنانا چاہیے۔ شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم اس اجلاس کی زینت تھے، انھوں نے مائیک سنبھالا اور گفتگو کا آغاز کچھ یوں کیا:

سو سال پہلے کی بات ہے۔ دارالعلوم دیوبند تھا۔ مہتمم مولانا رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ سرپرستِ اعلیٰ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ مہتمم صاحب کو محسوس ہوا کہ اساتذہ کو سبق میں پہنچنے میں کچھ تاخیر ہو جاتی ہے۔ انھوں نے اس کمی کو دور کرنے کی ترکیب یہ نکالی کہ صبح کے وقت جامعہ کے مرکزی دروازے کے قریب چارپائی لگا کر بیٹھ جاتے۔ جو استاد بھی جامعہ میں داخل ہوتا، وہ ان سے بھی مصافحہ کرتا۔ مہتمم صاحب اسی وقت گھڑی بھی دیکھ لیتے۔ کچھ ہی دِنوں میں اساتذہ وقت پر آنے کا اہتمام کرنے لگے گئے، مگر ایک استادِ محترم حضرت مولانا یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جو بڑے استاد تھے اور اپنی گوناگوں مصروفیات کی وجہ سے بروقت سبق میں پہنچ نہیں پاتے تھے۔ مولانا رفیع الدین رحمۃ اللہ علیہ ان کے حوالے سے مشورہ کرنے کے لیے جامعہ کے سرپرستِ اعلیٰ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچ گئے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ساری بات سنی اور جواب ارشاد فرمایا کہ ”مولانا یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ایسی بابرکت شخصیت ہیں کہ اگر وہ جامعہ میں صرف ایک چکر لگانے کے لیے بھی آ جائیں تو یہ بھی طلبہ اور جامعہ کی ترقی کے لیے کافی ہے۔“

اس واقعے کو ذکر کرنے کے بعد شیخ الاسلام دامت برکاتہم فرمانے لگے: حضرت ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا وجود مسعود بھی ہمارے لیے ایسے ہی ہے۔ وہ نحیف ضرور ہیں، علیل ضرور ہیں، مگر وفاق المدارس کی صدارت پر براجمان ہو کر وہ اگر اور کچھ بھی نہ کر سکیں، صرف دعا ہی کر سکیں، تب بھی یہ ہمارے لیے سعادت اور غنیمت ہو گی اور یوں ڈاکٹر صاحب رحمۃ اللہ علیہ آئندہ پانچ سال کے لیے وفاق المدارس کے دوبارہ صدر منتخب ہو گئے۔ پھر چند دِن بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ وہ زیادہ علیل ہو گئے اور ہسپتال میں داخل ہو گئے اور کچھ دنوں بعد خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

قارئینِ گرامی! بڑوں کے نام لیوا تو ہم بھی ہیں، اُن کی صحبت میں بیٹھنے، ان سے دعائیں لینے اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی تو ہم سب بھی تمنا اور چاہت رکھتے ہیں، لیکن بڑے کیسے بڑوں کو احترام دیتے ہیں اور زندگی کے آخری لمحے تک ان سے چمٹے رہنے کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔ یہ ادب اور اطاعت سیکھنے کی چیز ہے۔ یہی کامیابی کا راستہ ہے اور یہی توشہ آخرت ہے۔ بعض اوقات ہم ادب اور اطاعت کا نام بھی لے رہے ہوتے ہیں، مگر پھر بھی ہمارے دِل شکوک وشبہات سے اَٹے ہوتے ہیں۔ بس اگر ہم بڑوں سے سیکھ لیں کہ بڑوں کے ساتھ کیسے چلا جاتا ہے تو پھر نہ شیطان کو منہ مارنے کا موقع ملے اور نہ ڈیڑھ چھٹانک کی عقل کبھی اِدھر اور کبھی اُدھر پھدکتی پھرے۔ بعض اوقات دِل مانے نہ مانے، کسی بات کو اس لیے مان لینا کہ بڑوں نے قرآن وحدیث کی روشنی میں ہم سے بہتر سمجھا ہے تو آدمی بہت سے فتنوں سے بچ جاتا ہے۔ اچھا! اللہ جل جلالہٗ نے بھی قرآن مجید میں اپنی بات سمجھانے کے لیے کئی موقعوں پر اس جملے کو ذکر کیا ہے کہ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ کہ جو میں جانتا ہوں، وہ تم نہیں جانتے۔ اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ اگر تمہاری سمجھ میں نہیں آ رہا تو اس لیے مان لو کہ میں جو کہہ رہا ہوں۔ صحابہ کرامؓ کا بھی رسول اللہ ﷺ کو یہی جواب ہوتا تھا کہ اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ یہ تو مستقل ضابطہ ہے کہ لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ کہ اللہ کی نافرمانی کی صورت میں کسی مخلوق کی بات بالکل نہیں مانی جائے گی، مگر اس اصول کا لحاظ رکھتے ہوئے ہر جگہ بڑوں کی صحبت میں رہ کر دین سمجھنا اور اُن کے مشورے سے زندگی گزارنا یہی محفوظ راستہ بھی ہے اور جنت تک پہنچانے والا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بڑوں کا ادب کرنے کی اور اُن کی صحبت سے فائدہ اٹھانے کی اور اُن کے ساتھ ہمیشہ جڑے رہنے کی توفیق دے۔ آمین!

اخوکم فی اللہ
محمد خرم شہزاد

النساء 87-91

فہمِ قرآن

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَيَجۡمَعَنَّكُمۡ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ لَا رَيۡبَ فِيۡهِ ؕ وَمَنۡ اَصۡدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيۡثًا 87

ترجمہ : اللہ وہ ہے کہ اس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ وہ تمہیں ضرور بالضرور قیامت کے دن اکٹھا کرے گا، جس کے آنے میں کوئی شک نہیں اور کون ہے جو اللہ سے زیادہ بات کا سچا ہو! 87

فَمَا لَـكُمۡ فِى الۡمُنٰفِقِيۡنَ فِئَتَيۡنِ وَاللّٰهُ اَرۡكَسَهُمۡ بِمَا كَسَبُوۡا ؕ اَتُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ تَهۡدُوۡا مَنۡ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَلَنۡ تَجِدَ لَهٗ سَبِيۡلًا 88

ترجمہ : پھر تمہیں کیا ہو گیا کہ منافقین کے بارے میں تم دو گروہ بن گئے؟ حالاں کہ انھوں نے جیسے کام کیے ہیں، ان کی بنا پر اللہ نے ان کو اوندھا کر دیا ہے۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ایسے شخص کو ہدایت پر لاؤ، جسے اللہ (اس کی خواہش کے مطابق) گمراہ کر چکا؟ اور جسے اللہ گمراہی میں مبتلا کر دے اس کے لیے تم ہرگز کبھی کوئی بھلائی کا راستہ نہیں پا سکتے۔ 88

تشریح نمبر 1 : ان آیتوں میں چار قسم کے منافقین کا تذکرہ ہے اور ان میں سے ہر قسم کا حکم الگ بیان کیا گیا ہے۔ اس آیت (88) میں منافقین کی پہلی قسم کا ذکر ہے۔ یہ مکہ مکرمہ کے کچھ لوگ تھے، جو مدینہ منورہ آئے اور ظاہری طور پر مسلمان ہو گئے اور مسلمانوں کی ہمدردی حاصل کر لی، کچھ عرصے کے بعد انھوں نے حضورِ اکرم ﷺ سے تجارت کے بہانے مکہ مکرمہ جانے کی اجازت لی اور واپس چلے گئے۔ ان کے بارے میں بعض مسلمانوں کی رائے یہ تھی کہ یہ سچے مسلمان تھے اور بعض انھیں منافق سمجھتے تھے، لیکن جب وہ مکہ مکرمہ جا کر واپس لوٹے تو ان کا کفر ظاہر ہو گیا، کیوں کہ اس وقت مکہ سے ہجرت کرنا ایمان کا لازمی حصہ تھا اور جو شخص قدرت کے باوجود ہجرت نہ کرے، اسے مسلمان قرار نہیں دیا جا سکتا تھا، لہٰذا اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اب جب کہ ان کا نفاق ظاہر ہو چکا ہے تو ان کے بارے میں کسی اختلافِ رائے کی گنجائش باقی نہیں رہی۔

وَدُّوۡا لَوۡ تَكۡفُرُوۡنَ كَمَا كَفَرُوۡا فَتَكُوۡنُوۡنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوۡا مِنۡهُمۡ اَوۡلِيَآءَ
حَتّٰى يُهَاجِرُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَخُذُوۡهُمۡ وَاقۡتُلُوۡهُمۡ حَيۡثُ وَجَدْتُّمُوۡهُمۡ
وَلَا تَتَّخِذُوۡا مِنۡهُمۡ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيۡرًا 89

ترجمہ : یہ لوگ چاہتے یہ ہیں کہ جس طرح انھوں نے کفر کو اپنا لیا ہے، اسی طرح تم بھی کافر بن کر سب برابر ہو جاؤ، لہٰذا (اے مسلمانو!) تم ان میں سے کسی کو اس وقت تک دوست نہ بناؤ، جب تک وہ اللہ کے راستے میں ہجرت نہ کر لے، چناں چہ اگر وہ (ہجرت سے) اعراض کریں تو ان کو پکڑو اور جہاں بھی انھیں پاؤ انھیں قتل کر دو اور ان میں سے کسی کو نہ اپنا دوست بناؤ، نہ مددگار۔ 89

اِلَّا الَّذِيۡنَ يَصِلُوۡنَ اِلٰى قَوۡمٍۢ بَيۡنَكُمۡ وَبَيۡنَهُمۡ مِّيۡثَاقٌ اَوۡ جَآءُوۡكُمۡ حَصِرَتۡ صُدُوۡرُهُمۡ اَنۡ يُّقَاتِلُوۡكُمۡ اَوۡ يُقَاتِلُوۡا قَوۡمَهُمۡ ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمۡ عَلَيۡكُمۡ فَلَقٰتَلُوۡكُمۡ ۚ فَاِنِ اعۡتَزَلُوۡكُمۡ فَلَمۡ يُقَاتِلُوۡكُمۡ وَاَلۡقَوۡا اِلَيۡكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَـكُمۡ عَلَيۡهِمۡ سَبِيۡلًا 90

ترجمہ : ہاں وہ لوگ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں، جو کسی ایسی قوم سے جا ملیں، جن کے اور تمہارے درمیان کوئی (صلح کا) معاہدہ ہے یا وہ لوگ جو تمہارے پاس اس طرح آئیں کہ ان کے دل تمہارے خلاف جنگ کرنے سے بھی بے زار ہوں اور اپنی قوم کے خلاف جنگ کرنے سے بھی۔۔۔ اور اگر اللہ چاہتا تو ان کو تم پر مسلط کر دیتا تو وہ تم سے ضرور جنگ کرتے، چناں چہ اگر وہ تم سے کنارہ کشی کرتے ہوئے تم سے جنگ نہ کریں اور تم کو امن کی پیش کش کر دیں تو اللہ نے تم کو ان کے خلاف کسی کارروائی کا کوئی حق نہیں دیا۔ 90

تشریح نمبر 2 : پچھلی آیت میں ایسے منافقین سے جنگ کرنے اور انھیں قتل کرنے کا حکم دیا گیا تھا، جن کا کفر ظاہر ہو چکا ہو، البتہ اس حکم سے دو قسم کے لوگ مستثنیٰ کیے گئے ہیں، ایک وہ لوگ جو کسی ایسی غیر مسلم قوم کے ساتھ جا ملے ہوں جن سے مسلمانوں نے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کر رکھا ہو اور دوسرے وہ لوگ جو جنگ سے بالکل بے زار ہوں، نہ مسلمانوں سے لڑنا چاہتے ہوں نہ اپنی قوم سے اور چوں کہ ان کو یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ اگر وہ مسلمانوں سے نہیں لڑیں گے تو خود ان کی قوم ان سے لڑے گی، اس لیے وہ مسلمانوں کے پاس آجاتے ہیں۔ ان کے بارے میں بھی مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کریں، یہاں تک منافقین کی تین قسمیں ہو گئیں۔

سَتَجِدُوۡنَ اٰخَرِيۡنَ يُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ يَّاۡمَنُوۡكُمۡ وَيَاۡمَنُوۡا قَوۡمَهُمۡ ؕ كُلَّمَا رُدُّوۡۤا اِلَى الۡفِتۡنَةِ اُرۡكِسُوۡا فِيۡهَا ۚ فَاِنۡ لَّمۡ يَعۡتَزِلُوۡكُمۡ وَيُلۡقُوۡۤا اِلَيۡكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوۡۤا اَيۡدِيَهُمۡ فَخُذُوۡهُمۡ وَاقۡتُلُوۡهُمۡ حَيۡثُ ثَقِفۡتُمُوۡهُمۡ ؕ وَاُولٰۤـئِكُمۡ جَعَلۡنَا لَـكُمۡ عَلَيۡهِمۡ سُلۡطٰنًا مُّبِيۡنًا 91

ترجمہ : (منافقین میں) کچھ دوسرے لوگ تمہیں ایسے ملیں گے جو یہ چاہتے ہیں کہ وہ تم سے بھی محفوظ رہیں اور اپنی قوم سے بھی۔ (مگر) جب کبھی ان کو فتنے کی طرف واپس بلایا جائے، وہ اس میں اوندھے منہ جا گرتے ہیں، چناں چہ اگر یہ لوگ تم سے (جنگ کرنے سے) علاحدگی اختیار نہ کریں اور نہ تمہیں امن کی پیش کش کریں اور نہ اپنے ہاتھ روکیں تو ان کو بھی پکڑو اور جہاں کہیں انھیں پاؤ، انھیں قتل کرو۔ ایسے لوگوں کے خلاف اللہ نے تم کو کھلا کھلا اختیار دے دیا ہے۔ 91

تشریح نمبر 3 : اوپر کی آیت میں تیسری قسم کے لوگوں کا ذکر تھا جو واقعتاً جنگ سے بے زار تھے اور مسلمانوں سے لڑنا نہیں چاہتے تھے۔ اس آیت میں منافقین کی چوتھی قسم کا ذکر ہے جو جنگ سے بے زار ہونے کے معاملے میں بھی منافقت سے کام لیتے تھے۔ ظاہر تو یہ کرتے تھے کہ ہم مسلمانوں سے جنگ نہیں چاہتے، لیکن یہ اعلان صرف اس لیے تھا تاکہ مسلمان انھیں قتل کرنے سے باز رہیں، چناں چہ جب دوسرے کفار انھیں مسلمانوں کے خلاف کسی سازش کی دعوت دیتے تو یہ اس سازش میں بے دھڑک شریک ہو جاتے۔

فہمِ حدیث

یومِ عاشور کا روزہ

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ فَوَجَدَ الْيَهُوْدَ صِيَاماً يَوْمَ عَاشُوْرَاءَ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مَا هٰذَا الْيَوْمُ الَّذِيْ تَصُوْمُوْنَهٗ فَقَالُوْا هٰذَا يَوْمٌ عَظِيْمٌ اَنْجَى اللهُ فِيْهِ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ وَغَرَّقَ فِرْعَوْنَ وَقَوْمَهٗ فَصَامَهٗ مُوْسٰى شُكْراً فَنَحْنُ نَصُوْمُهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فَنَحْنُ اَحَقُّ وَاَوْلٰى بِمُوْسٰى مِنْكُمْ فَصَامَهٗ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَاَمَرَ بِصِيَامِهٖ (رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو آپ نے یہود کو یومِ عاشور (10 محرم) کا روزہ رکھتے دیکھا۔ آپ نے ان سے دریافت کیا کہ (تمہاری مذہبی روایات میں) یہ کیا خاص دن ہے (اور اس کی کیا خصوصیت و اہمیت ہے) کہ تم اس کا روزہ رکھتے ہو؟ انھوں نے کہا: ”ہمارے ہاں یہ بڑی عزمت والا دن ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور ان کی قوم بنی اسرائیل کو نجات دی اور فرعون اور اس کے لشکر کو غرقاب کیا تھا تو موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے اس انعام کے شکر میں اس دن کا روزہ رکھا تھا، اس لیے ہم بھی (ان کی پیروی میں) اس دن روزہ رکھتے ہیں۔۔۔۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ کے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام سے ہمارا تعلق تم سے زیادہ ہے اور ہم اس کے زیادہ حق دار ہے“ پھر رسول اللہ ﷺ نے خود بھی اس دن کا روزہ رکھا اور امت کو بھی اس دن کے روزے کا حکم دیا۔“

تشریح: اس حدیث سے ظاہری الفاظ سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے بعد مدینہ پہنچ کر ہی عاشورہ کے دن روزہ رکھنا شروع فرمایا، حالاں کہ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی صریح روایت موجود ہے کہ قریشِ مکہ میں قبل از اسلام بھی یومِ عاشورہ کے روزے کا رواج تھا اور خود رسول اللہ ﷺ بھی ہجرت سے پہلے مکہ معظّمہ میں یہ روزہ رکھا کرتے تھے، پھر جب آپ نے مدینہ ہجرت فرمائی تو یہاں آ کر آپ نے خود بھی یہ روزہ رکھا اور مسلمانوں کو بھی رکھنے کا حکم دیا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

مصیبت زدہ کی تعزیت اور ہم دردی

موت یا ایسے ہی کسی اور شدید حادثے کے وقت مصیبت زدہ کو تسلی دینا اور اس کے ساتھ اظہارِ ہم دردی اور اس کا غم ہلکا کرنے کی کوشش کرنا بلا شبہ مکارمِ اخلاق میں سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ خود بھی اس کا اہتمام فرماتے تھے اور دوسروں کو اس کی ہدایت اور ترغیب بھی دیتے تھے۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ
مَنْ عَزّٰى مُصَاباً فَلَهٗ مِثْلُ اَجْرِهٖ (رواہ الترمذی و ابن ماجۃ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس نے کسی مصیبت زدہ کی تعزیت کی تو اس کے لیے مصیبت زدہ کا سا ہی اجر ہے۔“ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

موت پر صبر اور اس کا اجر

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَقُوْلُ اللهُ مَا لِعَبْدِيَ الْمُؤْمِنِ جَزَاءٌ اِذَا قَبَضْتُ صَفِيَّهٗ مِنْ اَهْلِ الدُّنْيَا ثُمَّ احْتَسَبَهٗ اِلَّا الْجَنَّةَ (رواہ البخاری)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اپنے ایمان والے بندے (یا بندی) کے کسی پیارے کو جب میں اٹھالوں، پھر وہ ثواب کی امید میں صبر کرے تو میرے پاس اس کے لیے جنت کے سوا کوئی معاوضہ نہیں ہے۔“ (صحیح بخاری)

Shangrila

THE FOOD EXPERTS!

SHANGRILA KETCHUP AND SAUCES

KHAANON KAY MUST HAVES!

آزادی نعمتِ خداوندی

حضرت مولانا عبدالستار حَفِظَہُ اللّٰہ

14 اگست یوم آزادی ہے'اہل وطن اہل پاکستان یوم آزادی کو اپنے ملک سے محبت کے اظہار کے طور پر مناتے ہیں کہ اس دن اللہ کا ایک بہت بڑا انعام ہوا کہ یہ مبارک خطہ آزادی کی شکل میں اس قوم کو اللہ نے عطا فرمایا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آزادی اللہ کی بڑی عظیم نعمت ہے۔ایک مسلمان کی آزادی'ایک مسلمان قوم کی آزادی'اس کے پیش نظر ایک عظیم مقصد ہوتا ہے۔اور یہ آزادی اس عظیم کا مقصد وسیلہ وذریعہ ہوا کرتا ہے۔اس قوم نے بھی جو آزادی کی خاطر قربانیاں دیں'ایک طویل جدو جہد کی، محض اس زمین کے ٹکڑے کی آزادی پیش نظر نہ تھی'ایک عظیم مقصد پیش نظر تھا کہ کافرانہ ظالمانہ حکومت کے تسلط سے آزاد ہو کر یہ قوم اللہ کی رحمت اور اس کے عدل وانصاف کے نظام کے تحت اپنی زندگی گزار سکے اور یہ زندگی کا عبوری دور اور یہ امتحان اعلیٰ نمبروں کے ساتھ پاس کر کے کل کو بارگاہِ خداوندی میں سرخرو ہو سکے۔

اس عظیم مقصد کے پیش نظر یہ آزادی تھی کہ ایسا خطہ نصیب ہو جائے'جہاں اللہ تعالی کے نظامِ عدل کا بول بالا ہو اور آزادی کے ساتھ اللہ کے احکام کی تعمیل شعائر اسلام کی حفاظت اور اس پر عمل اس خطے کے لوگوں کے لیے ایسا سازگار ماحول میسر آئے۔ تحریکِ آزادی کے ان لمحات میں ہر آزادی کے متوالے کی زبان پر یہ الفاظ ہوتے :

پاکستان کا مطلب کیا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

اسی عظیم مقصد کی خاطر طویل قربانیوں کا ایک تسلسل رہا ہے'ایک جدو جہد اور ایک محنت اور کئی ساری زندگیاں اس کی خاطر قربان ہوئیں۔ بالآخر اللہ نے اپنا فضل فرمایا'انعام دیا اس خطے کی شکل میں۔ تو ہر سال وطن عزیز اور اہل وطن اس خوشی کو اس سے محبت کا اظہار مختلف انداز میں کرتے ہیں۔ لیکن اس آزادی کے موقع پر یہ دن ہمیں دعوت فکر بھی دیتا ہے کہ ہم اس آزادی کی تکمیل میں آگے بڑھے ہیں یا کہیں کوتاہی کر بیٹھے ہیں'اس کے ثمرات حاصل کر لیے ہیں یا محروم ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ پوری اسلامی دنیا اس کی ایک تاریخ دیکھی جائے اور مسلمانوں کا عروج اور زوال دیکھا جائے تو اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب بھی اسلامی دنیا اور اسلامی ملک کے لوگوں نے اس آزادی کا مقصد فراموش کر دیا تو اللہ کا نظام یہی چلا آیا کہ اللہ نے پھر ان سے آزادی کی نعمت بھی چھین لی'پوری اسلامی تاریخ مسلمانوں کے عروج وزوال کا خلاصہ کہ جو آزادی کا اصل مقصد تھا'جب اہل وطن نے اس مقصد کو فراموش کر دیا'یا اس آزادی کو اپنے اغراض وخود غرضی کے طور پر استعمال کیا اللہ نے ان سے نعمت آزادی چھین لی۔

آپ عالم عرب دیکھیں عالم اسلام کے ملکوں کی طرف ایک نظر اٹھا کر دیکھیں تو کیا حشر ہوا ہے اور اگر ان کا قصور ایک لفظ میں بیان کیا جائے تو سچ یہ ہے کہ وہ اجتماعی طور پر اسلام کے عادلانہ نظام کی جدو جہد اور اس مقصد کو فراموش کر بیٹھے ہیں۔اور نتیجہ یہ ہے کہ کہیں تو وہ ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئے محلوں میں تقسیم ہو گئے اور کہیں تو ایسا ہے کہ مکمل وہ خطہ ہی ان سے چھین لیا گیا ہے پھر وہ ملک کافرانہ اور ظالمانہ حکومتوں کے زیر تسلط آگیا۔ تو کسی اسلامی ملک کی آزادی کے لیے اہل وطن اس کے ثمرات حاصل کر سکیں ضروری ہے کہ وہ قوم اس آزادی کے مقصد کو سامنے رکھے کہ کس قدر جدو جہد میں لگی ہوئی ہے۔

74 سال ہوگئے ہم اس کے مقصد میں کوتاہی کیے چلے آرہے ہیں۔ اللہ حفاظت فرمائے۔ ملک کا ایک ٹکڑا ہم سے جدا ہوگیا اگر اسلام کا عادلانہ نظام ہوتا تو بتایئے قومیت کے بت پروان چڑھتے' جیسے آج بلوچی اور پٹھان اور پنجابی کے بدبودار نعرے پروان چڑھ رہے ہیں' بنگالی اور بنگلادیش کے یہ نعرے پروان اور قوت پکڑتے؟ قصور کہاں ہوا کہ اس خطے کی آزادی کے بعد اسلام کے عادلانہ نظام سے ہم نے روگردانی کی' قومی سطح پر اس مقصد کو فراموش کیا' وہ ٹکڑا ہمارے ہاتھ سے نکلا اور آج دائیں بائیں بھی مختلف قسم کے خطرات منڈلا رہے ہیں۔ یہ تو شکر ہے اللہ کا بہت کرم ہے اس کا کہ اس قوم کا مزاج اسلامی اور دینی ہے اور یہ قومی مزاج کا نتیجہ ہے کہ اللہ نے یہ خطہ دیا' جس کے نتیجے میں یہاں دین دار آج بھی موجود ہے خوف خدا آج بھی موجود ہے' اللہ کا ڈر معاشرے اور سوسائٹی میں آج بھی موجود ہے کہ اس قسم کی نفرتوں کی آگ بھڑکتی ہے' پھر ایمانی اور دینی فضا کی برکت سے پھر وہ بجھنے لگتی ہے' ورنہ قومی سطح پر اسلام کی بالادستی کی بات کتنی ہے' اسلام کے عادلانہ نظام کو کتنا فروغ دیا جارہا ہے' عدالتوں اور ایوانوں میں اعلائے کلمتہ اللہ کے لیے کتنی آواز اٹھائی جاتی ہے' ہم خوب جانتے ہیں' 74 سال سے ہم دیکھ رہے ہیں۔

یہ تو قومی لحاظ سے ایک دینی مزاج ہے کہ الحمد للہ یہ خطہ آج بھی کسی قدر آزادی کی برکتوں سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ یہاں کی قوم کا مزاج دینی ہے' اسلامی ہے' ایمانی ہے' اس کی برکتیں ہیں' ورنہ تو اللہ نے اہل ایمان کے بارے میں یہ بتایا کہ جب انہیں کوئی اقتدار مل جائے اور آزاد خطہ زمین پر مل جائے تو ہونا کیا چاہیے

الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ

جب اہل ایمان کو اقتدار ملتا ہے' آزادی ملتی ہے تو برسر اقتدار طبقے کی پھر یہ ذمے داری بنتی ہے أَقَامُوا الصَّلَاةَ پورے ملک کی فضا ایسی بن جائے کہ اللہ کا یہ حکم نماز ہر ایک کے لیے آسان ہوجائے' اس کے لیے چھوڑنا مشکل ہوجائے ایسی پورے ملک کی فضا بن جائے أَقَامُوا الصَّلَاةَ اداء صلوٰۃ کی بات نہیں کہ نماز پڑھ لے نانا!! أَقَامُوا الصَّلَاةَ اقامت صلوۃ کی ایسی فضا بن جائے کہ نماز چھوڑنا مشکل ہوجائے ادا کرنا آسان ہوجائے۔ اور ایمان کے بعد اللہ کا یہ حکم ایسا ہے اگر نماز اپنی تمام تر خصوصیات کے ساتھ معاشرے میں آجائے تو اس کی تاثیر قرآن نے یہ بتائی کہ جہاں نماز ہوتی ہے' وہاں منکرات نہیں ہوتے' وہاں جھوٹ اور خیانت نہیں ہوتی۔ وہاں بددیانتی نہیں ہوتی وہاں گناہ نہیں ہوتے۔ یہ اسلامی زندگی پر آنے کے لیے تربیت کا موثر ترین حکم ہے۔ ایمان کے بعد سب سے پہلے نماز آئی ہے' اس لیے کہ اسلامی زندگی کو اپنانے کے لیے اس میں نماز کے ذریعے صلاحیت پیدا ہوجائے۔ استعداد آجائے' ایک اسلامی حکومت کی یہ ذمے داری تھی

أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ اور آگے کہا وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ اس اسلامی حکومت کی یہ ذمے داری تھی کہ وہاں برائیوں کا سد باب ہو' نیکیوں کو فروغ ملے' گناہوں کی حوصلہ شکنی ہو' نیکیوں کی حوصلہ افزائی ہو۔ قومی سطح پر کیا حال ہے' دیکھ لیں قوم کے آئیڈیل کون بنتے ہیں' ہیرو کون بنتے ہیں' سپورٹ کسے ہوتی ہے حوصلہ افزائی کس کی ہوتی ہے۔

ہم ترکی گئے تو وہاں کے حاکم کو اللہ رب العزت نے یہ سوچ دے رکھی ہے کہ وہ قوم کو مغربی ماحول سے دینی شعائر کی طرف لے کر آیا ہے' اس نے عجیب انداز اختیار کیا۔ ہمارے ادارے بیت السلام ویلفیر ٹرسٹ کو وہاں ایوارڈ ملنا تھا' ایک ادارہ ملیشیا کا تھا' ایک قطر کا اور ایک ہم تھے' تو اللہ کی شان اس کی پوری حکومتی مشینری عسکری اداروں کے ذمہ دار' ان کے وزرا اور صدر سب وہاں موجود ہیں تو وہاں مختلف لوگوں کو اسٹیج پر بلا کر ایوارڈ دیے جارہے تھے' حوصلہ افزائی کا انداز دیکھیے' وہاں ایک مسجد کے امام کو بلایا گیا' پوری قومی مشینری تمام عسکری اداروں کے سربراہ' وزرا اور خود صدر موجود اور اسٹیج پر بلایا گیا اس امام کو اور اسے ایوارڈ سے نوازا گیا' کیوں؟ کہ یہ وہ شخص ہے جو اپنی مسجد کو سب سے زیادہ آباد کرتا ہے۔ یہ ایک انداز ہے۔

ہمارے ہاں بچوں کو جماعت کا عادی بنانے کے لیے انہیں سائیکلیں دینے کا سلسلہ شروع ہوا' نماز چالیس دن پڑھیں۔ ان شاء اللہ ایک بار پھر شروع کرنے لگے ہیں تو اس میں ہم نے سائیکلیں بچوں میں بانٹیں۔ تو ہم نے دیکھا کہ اس ملک کا صدر ان بچوں کو سائیکلیں انعام میں دے رہا ہے' اس لیے کہ ان بچوں نے چالیس دن تک باجماعت نماز پڑھی ہے۔ مغربی ماحول سے اسلامی احکام اور شعائر کی طرف کس حکمت کے ساتھ لا رہا ہے اور اس کا طریقہ ہے کہ جب قومی طور پر اسلامی احکام اور ان شعائر کی اس انداز سے حوصلہ افزائی ہوتی ہے تو نئی نسل کی ذہنیت بنتی ہے' سوچ بنتی ہے کہ واقعی ایمان اسلام کے یہ احکام کوئی بہت بڑھیا چیز ہیں' ذہن سازی ہوتی ہے اس انداز میں۔ تو اسلامی حکمران اسلامی حکومت کی یہ ذمہ داری تھی۔

وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ

نیکیوں کو فروغ دے اور برائیوں کے لیے سد باب کی شکلیں ہوں اس کی حوصلہ شکنی ہو۔ جیسے مسجد کی چار دیواری میں نیکیوں کو فروغ ملتا ہے نا! حوصلہ افزائی ہوتی ہے تو اس چار دیواری کا حال کیا ہوتا ہے' یہاں گناہ کرنا آسان نہیں' کوئی کرتا ہے تو چپکے سے کرتا ہے وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ ایک اسلامی خطے کا تقاضا یہ تھا ایک اسلامی سرزمین کی آزادی کی تکمیل یہ تھی' جس مقصد کے لیے اس ملک کو آزاد کیا تھا اس کا تقاضا یہ تھا کہ پورے ملک کی فضا ایسی بنتی کہ وہاں نیکی کرنا آسان گناہ کرنا مشکل ہوجاتا۔ یہ آزادی کا اصل غرض اور مقصد ہوتا ہے' اس کے پیش نظر مسلمان آزادی کے لیے قربانی دیتا ہے اور سچ یہ ہے کہ یہی مقصد جب کسی خطے کو نصیب ہوجائے تو اس کی جغرافیائی سرحدوں کی آزادی بھی محفوظ ہوجاتی ہے۔ یہی وہ مقصد ہے جس سے اسے استحکام ملتا ہے' یہی وہ مقصد ہے' جس کے پیش نظر پوری قوم مطمئن ہوتی ہے۔ اور پوری قوم کو اس کے حقوق ملتے ہیں' دنیا میں کسی کے پاس کوئی نظام نہیں انصاف کے ساتھ قوم کو حقوق دیئے جاسکیں۔ عدل وانصاف کے ساتھ قوم کے ہر فرد تک اس کے حقوق پہنچائے جائیں۔ کسی کے پاس کوئی نظام نہیں یہ نظام صرف اسلام کا عدل وانصاف کا وہ نظام ہے جس سے امیر غریب دیہاتی شہری مرد عورت جس میں سب ہی کے حقوق کا تحفظ ہے۔ یہی وہ مقصد ہے جس سے کوئی قوم امن کے ساتھ اطمینان کے ساتھ زندگی گزار سکتی ہے۔

حقیقی آزادی کی تکمیل میں آج بھی بہت رکاوٹیں ہیں' اس میں آج بھی بہت کوتاہیاں ہیں' آج بھی بہت قصور ہیں تو اس موقع پر ہر شخص کو یہ دیکھنا چاہیے کہ میں اس آزادی کی تکمیل میں کیا حصہ ڈال سکتا ہوں آج تک تو یہ ملک بحرانوں سے گزر رہا ہے۔ دائیں بائیں کے خطرات کا شکار ہے' اگر دیکھا جائے تو 74 سال کے اندر ایک بنیادی قصور ہے کہ ہر شخص نے خود غرضی کے ساتھ اس ملک کو چلایا ہے۔ مفاد پرستی کے ساتھ اس ملک کو چلایا ہے' اگر اس ملک کو خدا پرستی کے تحت لے آتا اور عدل وانصاف کے ساتھ لے آتا تو آج یہ ملک پوری دنیا کے لیے ایک خوب صورت نمونہ ہوتا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس وطن عزیز کو مادی لحاظ سے بھی وہ کچھ دے رکھا ہے کہ سینکڑوں ممالک ان نعمتوں سے خالی ہیں' جو اللہ رب العزت نے اسے نعمتیں اور دولتیں اس کی زمین اور اس کے پہاڑوں اور سمندروں میں رکھی ہیں' وہ غیر معمولی ہیں' لیکن قصور ہے کوتاہی ہے کہ جس غرض کے لیے یہ آزادی ملی' آج مسلمان قوم اور خصوصاً ہماری نئی نسل ان مقاصد کو فراموش کررہی ہے تو ضرورت اس بات کی ہے کہ اپنی نئی نسل کو اس ملک کی آزادی کے لیے جو جدوجہد ہوئی ہے' جن مخلص قائدین نے محنت کی جن علما نے اس ملک کی آزادی میں حصہ ڈالا اپنی نئی نسل کو ان کی تاریخ پڑھائی جائے' سنائی جائے اور ساتھ ساتھ جس مقصد کے لیے یہ ملک آزاد ہوا ہمیشہ وہ مقصد بھی پیش نظر رہے۔ اللہ رب العزت ہمیں بھی اس ملک کے استحکام اور ترقی میں حصہ ڈالنے کی توفیق نصیب فرمائے اور اللہ اس وطن عزیز کو ہر شر سے اور ہر شریر اور ہر فساد اور فسادی سے محفوظ فرمائے۔

آزادی کی تلاش میں۔۔۔

محمد حذیفہ رفیق

قوموں کا عروج و زوال، عزت و ذلت، ترقی و پستی کا بہت گہرا تعلق ان کی تہذیب، ثقافت اور تمدن سے ہوتا ہے، جو قوم جس قدر اپنی ثقافت کا تحفظ کرتی ہے اور اس کی بقا اور ترقی کی فکر کرتی ہے، اسی قدر عزت اور بلندی پاتی ہے۔

خدارا! ہمیں اب یہ سمجھنا ہوگا کہ ہم اپنی ثقافت کو چھوڑ کر نہ کبھی ترقی پا سکتے ہیں نہ عزت، صرف آزادی کے رنگین جشن منا کر اور بلند نعرے لگا کر آزادی کی حقیقت حاصل نہیں ہوتی، بلکہ ذھنی اور فکری غلامی کی زنجیروں سے آزاد ہو کر قومیں آزاد ہوا کرتی ہیں۔ ثقافت کا ایک بڑا مظہر اور بنیادی عنصر قومی زبان ہے، جو قوم خود اپنی زبان کو عزت نہ دے سکے، وہ بھلا کیوں کر غیروں سے یہ امید رکھے وہ اس کی زبان، ثقافت، کلچر اور تہذیب کی عزت کریں گے یا پاس رکھیں گے۔

این خیال است و محال است و جنوں

یہ محض خیال ہے، اور محال ہے اور جنوں ہے!

یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ انگریزی سیکھی نہ جائے، یا لکھی پڑھی نہ جائے، خوب سیکھیں اور خوب لکھیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ انگریزی موجودہ دور میں بڑی حد تک ہماری ضرورت بن گئی ہے یا بنادی گئی ہے لیکن بہر صورت اس زبان کے سیکھنے یا بولنے کے ساتھ اپنی زبان کے ساتھ سوتیلا سلوک کرنا یا اردو بولتے ہوئے معذرت خواہانہ طرز گفتار اپنانا، یا انگریزی کے دو چار الفاظ کو تفاخرانہ طور پر بولنا یا جڑ دینا، بے محل ہو کہ بر محل۔۔۔ یہ اپنی ثقافت اور قومی شناخت کے ساتھ شدید ظلم ہے اور اپنے ہاتھوں اپنے تشخص کا گلا گھونٹ دینے کے مترادف ہے۔

زبان سے صرف دل کی بات ہی نہیں کہی جاتی بلکہ فکری جھکاؤ اور ذھنی تاثر بھی بولی جانے والی زبان سے جھلکتا ہے۔ اسی وجہ سے ہمارے دین میں عربی کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے، اور امت کے اسلاف نے اس زبان سے اپنے تعلق اور وابستگی کا ناقابل فراموش سبق دیا، جس کو رہتی دنیا تک بھلایا نہیں جاسکتا۔

خلفاء راشدین کے دور میں جب مسلمانوں کے لشکر اطرافِ عالم میں پھیلے تو وہ سینوں میں ایمان اور توحید کے جذبے کے ساتھ ساتھ اپنی زبان کے ساتھ غیر معمولی محبت لیے پھرتے تھے، چناں چہ جہاں ان مقدس ہستیوں کے قدم پڑے، وہاں کے لوگوں نے نہ صرف یہ کہ ان کی عادات واخلاق کو اپنایا بلکہ ان کی زبان کو اپنی زبان بنایا۔ چناں چہ مصر، تیونس، الجزائر، مراکش، سوڈان اور افریقا کے کئی ممالک ایسے ہیں جن کی زبان آج عربی ہے اور یہ بلاد عربیہ کہلاتے ہیں، حالاں کہ ان کی زبانیں عربی نہیں تھیں، لیکن ان کی علاقوں کی زمین یہ پکار پکار کر کہتی ہے کہ یہاں کچھ ایسے سر پھرے آئے تھے، جنہیں اپنا دین، اپنی ثقافت اپنی جانوں کی طرح عزیز تھی اور انہیں اپنی زبان سے عشق تھا اس لیے جہاں انہوں نے لوگوں کو جہالت اور گمراہیوں کے اندھیروں سے نکال کر ہدایت کی روشنی عطا کی، وہیں انہوں نے ان لوگوں کی زبانیں بھی بدل ڈالیں۔

پہلی صدی کے اواخر میں جب محمد بن قاسم ثقفی نے سندھ فتح کیا، اور اس کے بعد تقریباً دو سو سال تک یہاں مسلمانوں کی سلطنت قائم رہی، اس دوران اس پورے خطے کی رسمی اور سرکاری زبان عربی بن گئی۔ 200 سال بعد اسلامی سلطنت تو برقرار نہیں رہی، لیکن جس طرح یہاں دیگر عادات واخلاق میں اثر باقی رہا، اسی طرح عربی زبان کے واضح اثرات آج بھی اس سرزمین پر موجود ہیں، چناں چہ عربی اور سندھی کے کئی الفاظ بالکل یکساں ہیں، جیسے : جمعرات کے لیے "خمیس"، لہسن کو "ثوم" بقر عید کے لیے "اضحیہ" وغیرہ وغیرہ۔

کوئی ڈھونڈے تو اسے ایک طویل فہرست ایسے ناموں کی مل جائے گی جو عربی اور سندھی میں ایک ہی ہیں۔

ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا

ندا اختر

"بابا جان میں نے خواب دیکھا ہے کہ یہودیوں کے لیے قلعے منہدم ہو رہے ہیں' لوگ چلاتے ہوئے وہاں سے نکل نکل کر بھاگ رہے ہیں' مگر میں وہیں کھڑی ہوں اور میرے سر پر ماہ کامل کا سایہ ہے۔" بنو نضیر کے سردار حی بن اخطب نے حیرت سے اپنی بیٹی زینب کی جانب دیکھا' تھوڑی دیر کے لیے اسے ان کی ذہنی صحت پر شک سا ہوا' مگر وہ بالکل تن درست اس کے سامنے کھڑی اپنے خواب کی تعبیر چاہ رہی تھیں۔ حی بن اخطب کی آنکھوں میں وحشت تھی' غصہ تھا' یہ وہی بیٹی تھی' جسے اس نے چودہ برس تک بڑے ناز سے پال پوس کر سلام بن مسلم سے بیاہ دیا تھا مگر اس شادی کا انجام طلاق ہوا تو اس نے یثرب کے مشہور شہ سوار اور قلعہ القموص کے نامور سردار کنانہ بن ابی الحقیق کو منتخب کیا اور ان کی دوسری شادی اس سے کر دی' اس تمام دوران اسے اپنی اس صاحب علم بیٹی پر ناز رہا تھا لیکن آج اس کا خواب اسے بری طرح چونکا رہا تھا جو ہمیشہ ہی سچے خواب دیکھتی تھیں۔

اس وقت وہ غضب ناک حالت میں کھڑا جھنجھلائے ہوئے انداز میں اسے دیکھ رہا تھا اور اس کی حالت سے بے خبر وہ اس کے بولنے کی منتظر تھیں' جب کچھ لمحے یوں ہی گزر گئے۔ تب انہوں نے خود دریافت کیا اور بولیں۔

"بابا جان میرے اس خواب کی تعبیر کیا ہے؟" حی بن اخطب اپنے خیالات سے چونکا۔ بیٹی کی جانب دیکھا اور ایک بھرپور طمانچہ ان کے منہ پر مار کر نفرت سے بولا!

"یہ ہے تیرے خواب کی تعبیر۔" زینب کے رخسار پر تھپڑ کے نیلے نیلے نشان ابھر آئے۔ انہوں نے حیرت سے باپ کو دیکھا اور اپنا دایاں ہاتھ رخسار پر رکھ لیا۔

یہ تھیں زینب بنت حی جو جنگ خیبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حصے میں آئی تھیں لیکن عرب میں مال غنیمت کا وہ حصہ جو فاتح کے حصے میں آئے' صفایا کہلاتا ہے' اس لیے وہ "صفیہ" کہلائیں اور اسی نام سے مشہور ہوئیں۔ صفیہ بنت حی بن اخطب بن سعنہ بن عبید۔ سعنہ بن عبید کا سلسلہ حضرت ہارون علیہ السلام سے ملتا تھا' اس لحاظ سے حضرت صفیہ پیغمبر کی نسل سے تھیں۔ ان کی والدہ خود رئیس قریظہ سموئل کی دختر تھیں اور باپ حی بن اخطب قبیلہ بنو نضیر کا سردار تھا۔ اس لحاظ سے انہیں والدین دونوں کی طرف سے سرداری نصیب تھی اور سلسلہ نسب پیغمبر سے ملتا تھا اس لیے یہ خاندان یہودیوں میں بے حد معزز تصور کیا جاتا تھا۔ چوں کہ اسلام سے قبل مدینہ منورہ کے تمام قبائل یہودیوں کے الہامی دین سے مرعوب اور ان کے علم سے بہت متاثر تھے' ان میں نہ صرف علم تھا بلکہ ان کے مدارس بھی تھے اور حی بن اخطب ان میں نمایاں حیثیت کا مالک تھا۔ ایسے میں بڑی قدر و منزلت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور پھر صفیہ بنت حی کی والدہ بنت سموئل بھی ایک ہمدرد اور صاحب علم گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں جو موسیٰ علیہ السلام کے رب کو سب کچھ مانتا تھا۔ وہ بھی بڑی خداترس انسان تھیں ان کے کردار کی چھاپ بڑی گہری تھی۔

یوں تو تاریخ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صفیہ بنت حی کے نکاح کی بہت سی وجوہ درج ہیں لیکن اس شادی کی سب سے بڑی وجہ یہودیوں کا ایک بڑا عجیب دستور تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات کی شکل میں یہودیوں کے لیے شریعت نازل ہوئی تھی۔ اس کی رو سے یہودیوں میں دستور تھا کہ جب کسی شہر یا قبلے پر حملے کیے جاتے اور فتح پاتے تو مفتوحہ علاقوں کے تمام مال و اسباب پر قبضہ کر لیتے مردوں کو بڑی بے دردی سے قتل کر دیتے اور عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیتے' ان دنوں مفتوحین کی عورتوں کے ساتھ جو سلوک روا رکھا جاتا تھا۔ اس کی تصویر تقریباً ہر مورخ نے کھینچی ہے اور اسے پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں' یہودیوں کی یہی بدترین رسم حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صفیہ بنت حی کے نکاح کا باعث بن گئی۔

چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ڈیڑھ ہزار رفقاء کے ساتھ خیبر کی طرف بڑھ گئے' یہاں پر یہودیوں کے 6 قلعے 20 ہزار فوج اور بے شمار سامان حرب موجود تھا۔ ان میں قلعہ القموص بڑا مستحکم تھا' جس کا سردار صفیہ بنت حی کا شوہر کنانہ بن ابی الحقیق یہودیوں کا مانا ہوا دلیر جنگجو تھا۔ اس قلعے کی فتح میں مسلمانوں کو بڑی دشواری پیش آئی اور 20 یوم محاصرے کے بعد یہ قلعہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی کمان میں فتح ہوا۔ کنانہ بن ابی الحقیق مارا گیا اور اس کے اہل و عیال اسیر ہوئے۔ ان میں صفیہ بنت حی بھی تھیں۔ جس وقت اسیرانِ جنگ اور مالِ غنیمت کو رسول اللہ کے سامنے پیش کیا گیا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ یہودی عورتوں کو لیے ہوئے خدمتِ اقدس میں پہنچے تو جنگ کے متاثر کن نظارے سے متاثر عورتیں اپنا منہ پیٹ رہی تھیں' کچھ کپڑے پھاڑ ڈالنے کو تیار اور کچھ سر اور سینہ پیٹ رہی تھیں۔

اپنے اپنے مقتولین کو پکار رہی تھیں' ایسے میں ایک نوجوان عورت وہ بھی تھی' جو پورے تحمل اور صبر کے ساتھ ان حالات کا مشاہدہ کر رہی تھی۔ اسیر تو وہ بھی تھی اقربا اس کے بھی مارے گئے تھے۔ قلعہ سے نکل کر قیدی کے روپ میں اسلامی لشکر تک آنے میں وہ بھی حوصلہ ہار سکتی تھی مگر وہ صابر تھی۔ اسے دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! "یہ کون ہے؟"

کسی نے جواب دیا: "یارسول اللہ! قلعہ کے سردار کنانہ بن ابی الحقیق کی بیوہ اور بنو قریظہ کے سردار حی بن اخطب کی بیٹی ہے۔ اب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے براہ راست اس کی طرف دیکھا' رخسار پر تھپڑ کا نشان نمایاں نظر آ رہا تھا' آپؐ نے پوچھا!

"تمہارے چہرے پر کس چیز کا نشان ہے؟"

بقیہ صفحہ 16 پر

Perfect®
Freshener
رہو خوشبوؤں میں
Perfect®
Freshener
Room
Freshener
اصلي
ASLEE
LA PERFUME
Dry
300 ml e
ہم سب کا پاکستان
Available on Daraz: www.daraz.pk/shop/perfect-freshner/
perfectairfreshener
PFfreshener
www.se.com.pk
info@se.com.pk

مسائل پوچھیں اور سیکھیں

مفتی محمد توحید

یوم عاشورا کیا ہے؟ اس دن کیا کرنا چاہیے؟

سوال: یومِ عاشورا سے کیا مراد ہے؟

جواب: ”عاشورا“ محرم کی دسویں تاریخ کو کہتے ہیں، یہ دن پہلی امتوں میں فضیلت کا دن مانا جاتا تھا۔ ایک زمانے میں اس کا روزہ فرض تھا، رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت سے اس کی فرضیت منسوخ ہو گئی، مگر اس دن روزے کا مستحب (باعثِ اجر وثواب) ہونا اب بھی باقی ہے، چنانچہ اس دن روزہ رکھنے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ اس دن کا روزہ سال کے روزوں کے برابر ہو، لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ اس دن روزہ رکھنے کا اہتمام کریں، البتہ عاشورہ سے ایک دن پہلے یعنی محرم کی نو تاریخ کو یا عاشورہ کے ایک دن بعد یعنی گیارہ تاریخ کا روزہ بھی ساتھ ملا دے تو زیادہ بہتر ہو گا۔

سیدنا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا سانحہ بھی اس دن پیش آیا، جس کی وجہ سے ”شہادتِ حسینؓ“ کی فضیلت کو مزید چار چاند لگ گئے ہیں۔

محرم، صفر، رمضان و شعبان میں شادی کرنا

سوال: ہماری برادری کا کہنا ہے کہ چند اسلامی مہینے ایسے ہیں جن میں شادی کرنا منع ہے، جیسے: محرم، صفر، رمضان، شعبان وغیرہ۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ دین کی روشنی میں ان مہینوں میں شریعت نے شادی کو جائز قرار دیا ہے یا ناجائز؟ اگر ناجائز ہے تو کرنے والا کیا گناہ گار ہو گا؟

جواب: واضح رہے کہ شریعت میں کوئی مہینہ ایسا نہیں جس میں شادی سے منع کیا گیا ہو۔ نحوست انسان کے اپنی بداعمالیوں میں ہوتی ہے جو زندگی کو کڑوا زہر بنا کر رکھ دیتی ہے، اس لیے نحوست سے بچنا ہو تو اعمال اچھے اختیار کرنے چاہیے۔

کیا محرم، صفر میں شادیاں رنج و غم کا باعث ہوتی ہیں؟

سوال: بعض لوگوں کا خیال ہے کہ محرم میں چونکہ شہادتِ حسینؓ جیسا سانحہ پیش آیا ہے، اس لیے اس کے اندر شادی کرنا مناسب ہے، اس لیے کہ شادی ایک خوشی کا سبب ہے اور ان سانحات کا غم تمام مسلمانوں کے دلوں میں ہوتا ہے اور مشاہدات سے ثابت ہے کہ ان مہینوں میں کی جانے والی شادیاں کسی نہ کسی سبب سے رنج و غم کا باعث بن جاتی ہیں، اس کا کسی عقیدے سے کیا تعلق ہے؟

جواب: واضح رہے کہ ان مہینوں میں شادی نہ کرنا اس عقیدے پر مبنی ہے کہ یہ مہینہ منحوس ہے، اسلام اس نظریے کا قائل نہیں۔ محرم میں حضرت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس مہینے میں عقدِ نکاح ممنوع ہو گیا، ورنہ ہر مہینے میں کسی نہ کسی شخصیت کا وصال ہوا جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طرح بزرگ اور معزز تھے، اس سے یہ لازم آئے گا کہ سال کے بارہ مہینوں میں سے کسی میں بھی نکاح نہ کیا جائے۔ پھر شہادت جیسی سعادت والی موت کی وجہ سے اس کے مہینے کو سوگ اور نحوست کا مہینہ سمجھنا بھی بجائے جہالت کی بات اور دین سے ناواقفیت کی نشانی ہے۔

شادی کے لیے ستارے ملانا

سوال: آج کل دورِ جدید کا ایک کرشمہ یہ بھی ہے کہ شادی کے لیے ستارہ ملاتے ہیں، یعنی لڑکے کی ماں اور لڑکے کے نام، لڑکی کی ماں اور لڑکی کے نام کے اعداد نکال کر ضرب، جمع، تقسیم کرتے ہیں۔ ایسا کرنا اسلام کی نظر میں کیسا ہے؟

جواب: واضح رہے کہ اسلام نہ ستاروں کی تاثیر کا قائل ہے اور نہ علمِ نجوم پر اعتماد کرنے کا قائل ہے، لہٰذا مسلمانوں کے لیے یہ عمل جائز نہیں۔ قسمت کا حال اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں، اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی پر اعتماد کر کے اس کے حکم کے مطابق کام کیا جائے تو برکت ہوتی ہے، سکون نصیب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ راحت واطمینان کی زندگی نصیب فرماتے ہیں۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر اعتماد کے مضبوط حلقے کو چھوڑ کر ستاروں اور نجومیوں سے اپنی قسمت وابستہ کرے، وہ ہمیشہ بے چین وبے سکون رہے گا۔

قیمت زیادہ بتا کر کم لینا

سوال: جو چیز ہم تیار کرتے ہیں اس چیز کو فروخت کرنے کے لیے ایک ریٹ مقرر کرنا ہوتا ہے کہ یہ چیز اتنے پیسے میں دکان دار کو دینی ہے، اگر ہم اتنے پیسے ہی دکان دار کو بتائیں تو وہ اتنی قیمت پر نہیں لیتا، کچھ نہ کچھ کم کراتا ہے اگر ہم اس مسئلے کو زیرِ نظر رکھتے ہوئے کچھ روپے زیادہ بتا دیں تاکہ اوسط برابر آجائے جتنا وہ کم کرائے گا تو کیا ایسا کرنا مناسب ہے یا یہ بات جھوٹ میں شمار ہوتی ہے؟ شریعت کے مطابق جواب سے نوازیے۔

جواب: صورتِ مسئلہ میں اگرچہ دام بتا کر اس میں سے کم کرنا جھوٹ تو نہیں، اس لیے جائز ہے، مگر اصولِ تجارت کے لحاظ سے یہ رواج غلط ہے، ایک دام بتانا چاہیے۔ شروع میں تو لوگ پریشان کریں گے، مگر جب سب کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ بازار سے بھی کم نرخ ہے اور یہ کہ ان کا ایک ہی اصول ہے تو پریشان کرنا چھوڑ دیں گے، بلکہ اس میں راحت محسوس کریں گے۔

چیز کا وزن کرتے وقت خریدار کی موجودگی ضروری ہے

سوال: جو چیزیں وزن کر کے یعنی تول کر بکتی ہیں ان کی خریداری کے وقت خریدار کا، اس وقت جبکہ وزن کیا جا رہا ہو، موجود ہونا ضروری ہے؟ کیونکہ اس صورت میں خریدار کے وقت کا حرج ہوتا ہے۔ کیا وہ دکاندار پر اعتبار کر سکتا ہے؟ اگر اعتبار کر سکتا ہے تو اپنی ملکیت میں آنے کے بعد اس کا وزن کر کے اطمینان کر لینا ضروری ہے یا بغیر وزن کیے اپنے استعمال میں لا سکتا ہے یا آگے اس کو فروخت کر سکتا ہے؟

جواب: واضح رہے کہ جو چیز وزن کر کے لی جائے اس کی تین صورتیں ہیں:

ایک صورت یہ ہے کہ دینے والے نے وزن کر کے دی، اس وقت خریدار یا اس کا نمائندہ تول پر موجود تھا، اس صورت میں آگے فروخت کرتے وقت دوبارہ تولنا ضروری نہیں، بغیر وزن کیے آگے بیچ سکتے ہیں اور خود کھا بھی سکتے ہیں۔

دوسری صورت یہ کہ اس وقت خریدار یا اس کا نمائندہ موجود نہیں تھا، بلکہ اس کی غیر موجودگی میں دکان دار نے چیز تول کر ڈال دی۔ اس صورت میں اس چیز کا استعمال

کرنا اور آگے بیچنا بغیر تولنے کے جائز نہیں، البتہ اگر دینے والے دکان دار کو یہ کہہ دیا جائے کہ مثلاً: اس تھیلے میں جتنی بھی چیز ہے، خواہ کم یا زیادہ، وہ اتنے پیسوں میں خریدتا ہوں تو دوبارہ وزن کرنے کی ضرورت نہیں۔

تیسری صورت یہ ہے کہ بوریوں، تھیلوں اور گانٹھوں کے حساب سے خرید وفروخت ہو، تو خواہ ان کا وزن کم ہو یا زیادہ، ان کو دوبارہ تولنے کی ضرورت نہیں۔

اسلام میں حقِ شفعہ کی شرائط

سوال: کیا اسلام میں شفعہ کرنا جائز ہے؟ مثلاً: اگر والدین اپنی جائیداد کا کچھ حصہ یا ساری جائیداد کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت کردیں تو اس شخص کی اولاد یا اس کے رشتہ دار حقِ شفعہ کا دعویٰ کرسکتے ہیں اور وہ لوگ اسلامی قوانین کی رُو سے واپس لینے کے حق دار ہیں یا کہ نہیں؟ میں نے ایک آدمی سے سنا ہے کہ "حقِ شفعہ اسلام میں جائز نہیں"

جواب: واضح رہے کہ اسلام میں حقِ شفعہ تو جائز ہے، مگر اس کے مسائل ایسے نازک ہیں کہ آج کل نہ تو لوگوں کو ان کا علم ہے اور نہ ان کی رعایت کرتے ہیں۔ مختصر یہ کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حقِ شفعہ صرف تین قسم کے لوگوں کو حاصل ہے:

اول وہ شخص جو فروخت شدہ جائیداد (مکان، زمین) میں شریک اور حصہ دار ہے۔

دوم وہ شخص جو جائیداد میں شریک تو نہیں، مگر جائیداد کے متعلقات میں شریک ہیں۔ مثلاً: دو مکانوں کا راستہ مشترکہ ہے یا زمین کو سیراب کرنے والی پانی کی نالی دونوں کے درمیان مشترک ہے۔

سوم وہ شخص جس کا مکان یا جائیداد فروخت شدہ مکان یا جائیداد سے متصل ہے۔

ان تین اشخاص کو علی الترتیب حقِ شفعہ حاصل ہے، یعنی پہلے جائیداد کے شریک کو، اگر وہ اس میں دلچسپی نہ دکھائے تو پھر اس کے متعلقات میں شریک شخص کو، اور اگر وہ بھی دستبردار ہو جائے تو پھر ہم سائے کو حقِ شفعہ حاصل ہوگا۔

اس سے معلوم ہوا ہوگا کہ صورتِ مسئولہ میں فروخت کنندہ کی اولاد یا اس کے رشتہ داران تین فریقوں میں سے کسی فریق میں شامل نہیں ہیں، تو ان کو محض اولاد یا رشتہ دار ہونے کی بناء پر شفعہ کا حق نہیں۔

پھر جس شخص کو شفعہ کا حق حاصل ہے، اس کے لیے لازم ہے کہ جب اسے مکان یا جائیداد کے فروخت کئے جانے کی خبر پہنچے، فوراً بغیر کسی تاخیر کے یہ اعلان کرے کہ: "فلاں مکان فروخت ہوا ہے اور مجھے اس پر حقِ شفعہ حاصل ہے، میں اس حق کو استعمال کروں گا" اور اپنے اس اعلان کے گواہ بھی بنائے۔

اس کے بعد وہ بائع کے پاس یا خریدار کے پاس (جس کے قبضے میں جائیداد ہو) یا خود اس فروخت شدہ جائیداد کے پاس جاکر بھی یہی اعلان کرے، تب اس کا حقِ شفعہ برقرار رہے گا، ورنہ اگر اس نے بیع کی خبر سن کر سکوت اختیار کیا اور شفعہ کرنے کا فوری اعلان نہ کیا تو اس کا حقِ شفعہ ساقط ہو جاتا ہے۔ ان دو مرتبہ کی شہادتوں کے بعد وہ عدالت سے رجوع کرے اور وہاں اپنے استحقاق کا ثبوت پیش کرے۔

اب آپ دیکھ لیجئے کہ آج کل جو شفعہ کئے جارہے ہیں، ان میں ان احکام کی رعایت کہاں تک رکھی جاتی ہے، اس لیے اگر کسی سے آپ نے یہ سنا ہے کہ: "اسلام میں اس قسم کے حقِ شفعہ کی اجازت نہیں" تو ایک درجے میں یہ بات صحیح ہے۔ لوگ تو رائج الوقت قانون کو دیکھتے ہیں، شریعت میں کون سی بات صحیح ہے، کون سی صحیح نہیں؟ اس کی رعایت بہت کم لوگ کرتے ہیں۔

دفتری فائل دکھانے پر معاوضہ لینا

سوال: میں ایک دفتر میں ملازم ہوں، ہمارے ہاں ایسا ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی فائل دیکھنے آتا ہے کہ میری فلاں فائل ہے، وہ نکال دیں یا میری فائل نمبر یہ ہے، اگر دکھادیں تو بہت مہربانی ہوگی اور یہ کہ یہ چیز اس میں سے ٹائپ (کمپوز) کرکے مجھے دے دیں۔ ہمارے سینئر کلرک ان سب باتوں کو پورا کردیتے ہیں۔ وہ شخص سینئر صاحب کو کچھ رقم دے دیتا ہے۔ ہمارے سینئر صاحب اس میں سے ہمیں بھی دیتے ہیں۔ پوچھنا یہ ہے کہ یہ رشوت تو نہ ہوئی؟ اور اگر ہوئی، تو بھی تو اس کی ذمہ داری ہمارے سینئر کلرک پر آئے گی یا ہم پر؟ اگر اس مسئلے کا حل بتادیں تو مہربانی ہوگی۔

جواب: واضح رہے کہ فائل نکلوانے، دکھانے اور ٹائپ کرنے کی اگر سرکاری اجرت مقرر ہے تو اس اجرت کا وصول کرنا صحیح ہے (اور اس کا مصرف وہ ہے جو قانون میں مقرر کیا گیا ہو) اس کے علاوہ کچھ لینا رشوت ہے، اور گناہ میں وہ سب شریک ہوں گے جن جن کا اس میں حصہ ہوگا۔

دفتری امور میں دیانت داری کے اصول

سوال: دفاتر میں جس افسر کے ماتحت ہوتے ہیں، اس سے ہم کم وبیش ایک دو گھنٹہ پہلے چلے جانے کی "مستقل" (روزانہ کی) اجازت لے سکتے ہیں، تاکہ دوسرے کام بھی نمٹائے جاسکیں، جبکہ دفاتر میں کام زیادہ نہیں ہوتا اور جو ہوتا بھی ہے تو جلدی نمٹایا جاسکتا ہے یا اگلے روز بھی کیا جاسکتا ہے؟ اجازت ملنے پر اس عرصے کی تنخواہ جائز ہوگی، جبکہ تنخواہ افسر نہیں، حکومت دیتی ہے؟ افسر بھی کسی کا ماتحت ہوتا ہے اور وہ بھی کسی اور کا، اس طرح ہر کوئی کسی اور کا ماتحت ہے۔ تو اجازت پر عمل پیرا اپنے افسر کے ہوں جس کے سامنے جواب دہی کرنی ہوتی ہے یا حکومت کے، جس کو جواب دہی طلب نہیں کرنی ہوتی ہے؟

جواب: واضح رہے کہ اس مسئلے میں اصول یہ ہے کہ محکمے کے قانون کے لحاظ سے دفتر کی حاضری کا ایک وقت مقرر ہے اور اسی کی ملازم کو تنخواہ دی جاتی ہے، اس لیے مقررہ وقت سے غیر حاضری جائز نہیں اور غیر حاضری کے وقت کی تنخواہ بھی حلال نہیں، لیکن بعض استثنائی صورتیں ایسی ہوسکتی ہیں کہ ان پر قانون بھی لچک اور رعایت کا معاملہ کرتا ہے، مثلاً: کسی ملازم کو فوری طور پر جانے کی اچانک ضرورت پیش آگئی۔ ایسی استثنائی صورتوں پر افسرِ مجاز سے اجازت لے کر جانے کی گنجائش ہے، لیکن قبل از وقت جانے کا معمول بنالینا قانون کی نظر میں جرم ہے، اس لیے جو حضرات قبل از وقت دفتر سے جانے کا معمول بنالیتے ہیں ان کے لیے غیر حاضری کے اوقات کی تنخواہ حلال نہیں ہوگی خواہ وہ افسر سے اجازت لے کر جاتے ہوں اور اگر وہ ان اوقات کی تنخواہ لیں گے تو حرام کھائیں گے اور ان کے ساتھ ان کو اجازت دینے والا افسر بھی گناہ گار ہوگا۔

رہی یہ صورت کہ دفتر کا سارا کام نمٹادیا گیا اور اب ملازمین فارغ بیٹھے ہیں، کیا ان کو وقت ختم ہونے تک دفتر میں حاضر رہنا لازم ہے یا یہ کہ وہ اس صورت میں افسرِ مجاز کی اجازت سے چھٹی کرسکتے ہیں؟

اول تو چونکہ دفاتر میں کام کا رش رہتا ہے اور فائلوں کے ڈھیر لگے رہتے ہیں، اس لیے یہ صورت پیش ہی نہیں آسکتی کہ ملازمین دفتر کا سارا کام نمٹاکر فارغ ہو بیٹھیں، تاہم اگر شاذ ونادر ایسی صورت پیش آئے تو اس کے بارے میں بھی محکمہ قانون ہی سے دریافت کرنا چاہیے کہ آیا ایسی صورت میں بھی ملازمین کو وقت ختم ہونے تک دفتر کی پابندی لازم ہے یا وہ کام ختم کرکے گھر جانے کے مجاز ہیں؟ اگر قانون ان کو ایسی حالت میں گھر جانے کی اجازت دیتا ہے تو اس وقت کی غیر حاضری کی تنخواہ ان کے لیے حلال ہوگی اور اگر قانون اجازت نہیں دیتا تو تنخواہ حلال نہیں ہوگی۔ البتہ اگر کسی ملازم کے ذمہ متعین کام ہے اور اس سے یہ کہہ دیا گیا ہے کہ تمہیں یہ کام پورا کرنا ہے خواہ یہ مقررہ کام تھوڑے وقت میں کرو یا زیادہ میں تو اس کو کام پورا کرکے جانے کی اجازت ہوگی۔

نئے صبح و شام پیدا کر۔۔

آسیہ عمران

ہاتھ میں شوہر کے لیے کھانا لیے رواں دواں ہیں۔ابھی راستے میں ہیں کہ جبرائیل امین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لاتے ہیں۔انھیں خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں بتاتے ہیں۔کہ وہ آپ کی طرف کھانا لارہی ہیں۔اور کہتے ہیں جب وہ آپ کے پاس تشریف لے ائیں تو انھیں رب کریم کی طرف سے سلام کہیں اور انھیں میری طرف سے بھی سلام کہیں اور انھیں جنت میں گھر کی بشارت دے دیں۔جاں نثاری اور خدمت کی یہ ادا کتنی پسندیدہ ہے' ان کے کھانا لانے کے ذکر کے ساتھ جبرائیل علیہ السلام رب کریم کا سلام کہتے ہیں اور ملائکہ کے سردار بھی سلام کہتے ہیں اور جنت میں گھر کی بشارت دیتے ہیں۔

اسلام نے عورت کو ماں' بہن' بیٹی کی حیثیت میں جو مقام دیا ہے۔اس کی روح تک دنیائے انسانیت کبھی نہیں پہنچ پائی۔ عملی لحاظ سے عورت کو گھر کی ملکہ بنایا کہ اس تنزل کے دور میں بھی وہ گھر کا تخت سنبھالے تاج سجائے بیٹھی ہے۔جب کہ مغربی عورت اپنی ترقی کے شباب پر اپنی کم مائیگی کا نوحہ کہ رہی ہے۔یہ الگ بات کہ اس ظاہری چمک کے زیر اثر مشرقی عورت اس فریب کو سمجھ نہیں پا رہی۔

اس وقت ایک مسئلہ اور ہے۔وہ یہ کہ اسے اپنی تمام ذمے داریوں سے آگاہی نہیں اپنی حیثیت اور اثریت کا ادراک نہیں۔یہی وجہ ہے کہ وہ چند ذمہ داریاں ادا کرنے کے بعد ہاتھ چھوڑ بیٹھتی ہے یا پھر دوسرے دائروں میں دخل دینے لگتی ہے۔اسلام کی نظر میں عورت داعی دین بھی ہے۔معلم اور مربی بھی محترم اور مکرم ہستی شرم و حیا کے زیور سے آراستہ۔معاشرے کے کچھ کام ایسے ہیں' جو اس کے بغیر ممکن ہی نہیں۔خواتین کے دائرے میں وہی اول وہی فیصل ہے۔اور نئی نسلوں کے اخلاق و کردار کی محافظ بھی۔اس میں توازن قائم کرنے اور رکھنے کا جوہر بھی ہے اور مروت اور برتاؤ کا طریقہ بھی۔یہ صبر و استقامت کا پیکر اور عزم و حوصلے کا سلیقہ بھی رکھتی ہے۔گھر کا مرکز اور رونق اسی کے دم سے ہے۔اس کے ہاتھوں میں شفا اس کے لہجے میں برکھا ہے۔یہ درست رہے تو بناؤ ہی بناؤ ہے اور اس کا بگاڑ پورے معاشرے کا بگاڑ ہے۔

اس کے اسی مقام اور اہمیت کے سبب پوزیشن کے سارے میڈل اس کے حصے میں آئے ہیں۔نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے دریافت کیا مجھ پر سب سے زیادہ حق کس کا ہے تین بار فرمایا: ''تیری ماں'' چوتھی مرتبہ فرمایا: ''تیرا باپ'' جنت جیسا عظیم مقام اس کی خدمت میں اس کے قدموں میں رکھا گیا۔بہن کی صورت ایک نبی نے چادر بچھائی۔

بیوی کی گواہی کو شوہر کی اچھائی کا پیمانہ بتایا۔اسے نازک آبگینے سے تشبیہ دی۔ان مردوں کو اچھا کہا جو گھر والوں کے ساتھ اچھے ہوں۔اس کی حیثیت اسکول کے چوکی دار کی نہیں میڈم کی ہے۔جسے آرام سے گھر میں سب مہیا کیا جاتا ہے۔اور وہ فیصلوں پر مہر لگاتی ہے۔گھر کے ادارے میں نظم اور باقاعدگی اور سکون کی ذمے دار ہے۔اس کے لیے بخوشی ہر ایک خدمت بجا لاتا ہے۔بڑا مقام زیادہ محنت 'قربانیوں 'توجہ اور ارتکاز کا متقاضی ہے۔جتنا بڑا مقام اتنا سخت حساب۔اور اتنے ہی وسائل سے اسے نوازا گیا ہے۔جس سے وہ باآسانی ذمے داریوں سے عہدہ برا ہو جاتی ہے۔

اس کا شوہر اس کا بوجھ اٹھاتا ہے۔تو بیٹا اسے مرکز بناتا ہے۔بھائی اس کا گارڈ کوئی کچھ غلط کر کے تو دکھا دے۔دوسری طرف مغرب کی عورت رشتوں سے ناآشنا' زندگی کے تمام بوجھ تنہا پیٹھ پر لادے نڈھال ہے۔کمانے' کھانے' گھر کے سارے بوجھ اٹھائے اندر کی فطری ممتا اور نازک پن کو کھو چکی ہے۔اس سے فائدہ اٹھانے کو تو کئی ہاتھ آگے بڑھتے ہیں مگر ارد گرد کوئی حصار کوئی بوجھ بانٹنے والا نہیں۔نازک وجود ٹکڑوں میں بٹا اپنی ناقدری کی کہانی کہ رہا ہے۔

عورت کے مقام سے ہٹنے یا باقاعدہ ہٹانے کا نتیجہ اتنا بھیانک ہے کہ معاشرہ تلپٹ ہو کر رہ گیا ہے۔گھر گھر نہیں رہا۔سب سے زیادہ ستم کا شکار معاشرے کا کمزور حصہ بچے اور بوڑھے ہیں۔جو پیشہ ور ہاتھوں میں زندگی بس گزار رہے ہیں۔کسی معاشرے کی اس سے بڑھ کر زبوں حالی کیا ہو سکتی ہے کہ وہاں صرف طاقت ور کے لیے سب کچھ ہو اور کمزور کو پوچھنے والا کوئی نہ ہو۔لہٰذا پورا معاشرہ مادی آسودگی کی چھت تلے درد سے تڑپ رہا ہے اور کوئی سننے والا بھی نہیں۔اس صورت حال نے نفسیاتی طور پر نئی نسل کو تباہ کر دیا ہے۔اعداد و شمار اٹھا کر دیکھیے جرائم کی سطح انتہا کو چھو رہی ہے۔مگر وہ ہماری طرح اپنا منفی پہلو کھول کر نہیں رکھتے' صرف مثبت دکھاتے ہیں۔جب کہ ہم اپنا منفی پہلو چن چن کر اعلان کرتے پھرتے ہیں۔اس وقت ہمارا معاشرہ تین سو سالہ تسلسل سے کام کیے گئے منصوبوں کے زیر اثر ہے۔بچوں کے لیے بنائے گئے کارٹونوں پر ہی نظر ڈالیں۔وہاں عورت کی ماں' بہن' بیٹی' بیوی کی کسی حیثیت میں موجود نہیں۔وہ برہنہ لباس میں صرف عورت ہے۔لہٰذا ہماری نئی نسل کے لیے یہ رشتے اپنا تقدس کھو کر صرف ایک صنف کی صورت ابھر رہے ہیں۔جہاں احترام' محبت' خدمت' اجر اور ثواب جیسے تصورات مفقود ہیں۔اب یہاں نگاہوں کے جھکاؤ کا تصور نہیں' بے باکی سی بے باکی ہے۔اور ہمارے ڈرامے میں جس کے زیر اثر نوجوان نسل ہے عورت یا تو بہت بری یا پھر انتہائی مظلوم ہے۔جو اچھا ہے اس کے مقدر میں شکست اور پِسنا

ہی ہے۔ متوازن ٗمضبوط اور صحت مند کردار کہیں نہیں۔اس وقت ایک اور بدلاؤ ہے۔ خیر اور اچھائی کا تصور ختم کیا جارہا ہے۔ جیسے خیر کہیں نہیں۔مایوسی کی ترویج ہے۔ ایک اگلا قدم جسم فروشی سے متعلق لوگوں کے لیے ہمدردی پیدا کی جارہی ہے۔ان کے اندر اچھائی ہے۔ معاشرہ انھیں قبول نہ کر کے زیادتی کر رہا ہے۔اگلا مرحلہ ملالہ کے زریں خیالات۔مزید کیا ہوگا باآسانی تصور کیا جاسکتا ہے۔حالات پیش بینی کر رہے ہیں۔ہمارے بنیادی اور پختہ نظریات کے بدلاؤ کی گونج ہے۔۔ہمارا تعلیمی نظام ایک بچی میں مادیت کے سوا کچھ نہیں ڈال رہا اور یہ کسی انسانی معاشرے کی بدترین شکل ہے کہ صرف مادی اقدار ہر زاویے پر حاوی ہو جائیں۔وہ لڑکی سن شعور کو پہنچتے ہی جس کی مستقبل کی پلاننگ میں گھر بنانا خاندان کی بنیاد رکھنا لاشعور میں پیوست تھا۔آج کی نسل کے لیے ڈراؤنا خواب بن چکا ہے کہ یہ سب اس کے کیریئر کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

یہ مسائل کیسے حل ہوں کہ انسانیت اپنی اقدار پہچانے ٗاپنی فطرت کی تسکین کا سامان کرے۔دورِ جدید کی پیدا کی گئی الجھنوں میں اپنی کھوئی راہوں کو پائے۔یقیناً آسان نہیں۔بڑی پلاننگ اور بڑا وقت درکار ہے۔ اسلام کے عورتوں کو دیے گئے بنیادی کردار ابھارنا ہوں گے۔میڈیا پر کام کرنا ہوگا۔شر جس راستے سے در آیا ہے بھگانا اسی راستے سے ہوگا۔جدید دنیا میں کوئی میڈل کبھی بہترین ماں بہن یا بیٹی کو کبھی نہیں دیا گیا ٗنہ ہی ان کرداروں پر سیمینار ہوئے کبھی۔سارے میڈل عورت کو مرد بنانے کی ترغیب کے تھے۔جس میں اس کا فطری کردار چھینا گیا تھا۔اس لیے کہ انھیں ایسی عورت مطلوب ہی نہیں تھی۔ان کی پلاننگ ہمارے سب سے مضبوط ادارے خاندان کو توڑ کر اپنی معیشت کو مضبوط بنانے کی بھی تھی۔مغرب کی اکانومی کنزیومر بیس اکانومی ہے۔جب ہر فرد کام کرے گا تو پیسا بھی ہر ایک خرچ کرے گا اور منافع بھی وہیں جائے گا۔یہ پورا سسٹم اجتماعی مفاد کی بجائے انفرادیت کی طرف لے جانے والا ہے مشرقی اور مغربی کھانوں کا جائزہ لیں تو یہ فرق بخوبی عیاں ہو جائے گا۔سینڈوچ ٗبرگر ٗکوارٹر بروسٹ ٗرول ٗوغیرہ مغرب کے انفرادیت کے تصور کا اظہار ہیں۔جب کہ مشرق میں نہاری ٗحلیم ٗقورمہ جیسے کھانے ایک کے لیے بن ہی نہیں سکتے۔انھیں بناتے وقت آس پڑوس اور بیٹیوں تک کا خیال رکھا جاتا ہے۔انھیں اپنے سسٹم کو مضبوط کرنا تھا۔آج اگر عورت گھر بیٹھ جائے۔مغرب کی کاسمیٹکس انڈسٹری ڈھے جائے گی۔اس لیے حیا حجاب والی عورت بھی اس کی مخالف صف میں ہے۔

اس وقت کرونا کے سبب بدلاؤ کا دور دورہ ہے۔مناظر بدلنے کو ہیں ٗنئی دنیا سیٹ ہو رہی ہے۔ایسے میں ہمارے صاحبانِ حل و عقد کو سر جوڑ کر بیٹھنا ہوگا۔وقت کبھی انتظار نہیں کرتا۔نئے صبح وشام پیدا کرنا ہوں گے۔بہت کچھ ہے جو کیا جانا ممکن ہے اور اسلام تو ہے ہی امید اور انعام کا نام۔ عورت کا ذمے داریوں کو سمجھ جانا۔جدید تہذیبی ہتھکنڈوں کو جان کر اپنے لیے مناسب ماحول تلاش کرنا اور پھر متوازن اور فطری نظامِ زندگی کا حصول ایک چیلنج ہے۔ہم اماں خدیجہ کی بیٹیاں عزم کر لیں تو کوئی چٹان راستے کی رکاوٹ نہیں بن سکتی۔بات سمجھنے اور عزم کرنے کی ہے۔

بقیہ ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا

اس سوال کے جواب میں صفیہ بنت حیٔ نے اپنا خواب سنایا اور کہا۔"یہ خواب سن کر میرے باپ نے مجھے زوردار طمانچہ مارا تھا ٗیہ نشان اسی طمانچے کا ہے۔"

اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چند ثانیہ سکوت فرمایا پھر واویلا کرنے والی عورتوں کی جانب دیکھ کر پوچھا۔"تم لوگ اپنی حالت پر اشکبار کیوں ہو۔کیا جنگ سے قبل تم لوگوں کے سامنے اسلام پیش نہیں کیا گیا تھا؟"

"ہمیں اسلام سے کوئی سروکار نہیں۔ان عورتوں نے کہا ہم تو اپنے مرنے والوں پر اور اپنے قیدی بن جانے پر رو رہے ہیں۔"کچھ عورتوں نے کہا!"ہم اس سلوک کے خیال سے ہراساں ہیں ٗجو قیدی عورتوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔"

یہ سن کر اللہ کے آخری نبیؐ نے ان سے فرمایا:"تمہارے ساتھ وہ سلوک نہیں کیا جائے گا جو فاتحین قیدیوں کے ساتھ کرتے ہیں۔"

پھر خیبر کا مال اور باندی غلام تقسیم کیے گئے۔نہ کسی کے قتل کا حکم جاری ہوا اور نہ عورتوں کی تذلیل کی گئی۔اس وقت صفیہ بنت حی جلیل القدر صحابی حضرت دحیہ کلبی کے حصے میں آئیں۔ایک روایت یہ ہے کہ انہوں نے صفیہ بنت حی کے لیے خود عرض کیا:"یارسول اللہ! یہ ایک سردار کی دختر اور ایک سردار کی بیوہ ہیں ٗایسے میں ان کے لیے آپ کے سوا کوئی مناسب نہیں ہے۔"اور تاریخ میں یہ روایت بھی ہے کہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود قیاس فرمایا کہ سلسلہ برادری قائم کرنے اور یہودیوں کی مخالفتوں کو کم کرنے کے لیے حی بن اخطب کی دختر سے نکاح کرنا مناسب رہے گا۔لہٰذا انہوں نے دحیہ کلبی سے انہیں واپس لے لیا اور آزاد کر کے نکاح کر لیا۔

حضرت صفیہ بنت حی بہت خوش خلق تھیں ٗجب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ان سے پہلی بار ملیں تو انہوں نے بڑی محبت سے انہیں اپنے زیورات عنایت کیے۔ان کی دیندارانہ فطرت اور کریمانہ اخلاق کے سبب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی اکثر تعریف فرماتے اور جب کبھی کسی نے ان کے دین یا قبیلے کے بارے میں کوئی بات کی تو آپ نے ان کی حمایت فرمائی۔ایک بار ازواج مطہرات میں سے کسی نے ان کے حسب نسب کی بابت بات کی ٗجس کی شکایت انہوں نے حضور سے کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دل جوئی کرتے ہوئے فرمایا:

"جب کوئی ایسی بات کہے تو تم کہہ دیا کرو کہ میرے باپ ہارون ابن عمران ہیں میرے چچا موسیٰ بن عمران ہیں اور اب میرے شوہر محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ ہیں۔" یہ سن کر حضرت صفیہ مطمئن ہو گئیں آپ کا زیادہ تر وقت عبادت میں گزرتا آپ کے مزاج میں حد درجہ عفو و درگزر تھا۔

حضرت صفیہ بنت حی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد محبت تھی۔آپ اکثر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تعریف کیا کرتی تھیں اور کہتی تھیں۔ میں نے کسی کو بھی فاطمہ سے زیادہ سیرت اور صورت میں رسول اللہ سے مشابہ نہیں پایا۔اُم المومنین حضرت صفیہؓ نے طویل عمر پائی تمام خلفاء راشدین کا زمانہ دیکھا حضور کے وصال کے بعد اپنا تمام وقت گوشہ نشینی میں گزارا۔آپ "جنت البقیع" میں دفن کی گئیں۔

امراضِ اعصاب حصہ دوم

حکیم شمیم احمد

چست لباس اور تنگ کالر

چست لباس اور تنگ کالر تکلیف میں اضافے کا باعث ہوتے ہیں۔ ان سے بچنا ضروری ہے، جب آپ ذہنی دباؤ محسوس کریں تو گرم پانی سے غسل کر کے تھوڑی دیر کے لیے بستر پر لیٹ جائیں، تکلیف کے سبب پر غور کریں اور بذریعہ خود ترغیبی اپنے دل میں خیال لائیں کہ یہ تکلیف عارضی ہے اور صبح تک یہ ٹھیک ہو جائے گی، اگر اعصابی بدمزگی کی تمام علامتوں کے بارے میں ہمارے پاس صحیح معلومات ہوں تو ہم فضول اور بے جا خوف کا شکار نہیں ہو گے، جس طرح انگلی زخمی ہونے پر آپ فوراً یہ خیال نہیں کرتے کہ خون کا بہنا موت کا باعث بن جائے گا، اس طرح ذہنی دباؤ سے آپ کو یہ محسوس نہیں کرنا چاہیے کہ آپ جلد کسی خوف ناک حالت سے دوچار ہونے والے ہیں، جس طرح آپ زخم سے خون کا بہنا اور رِسنا روک لیتے ہیں، اسی طرح آپ اپنی اعصابی قوّت کو ذہن کے زخم سے ضایع ہونے سے بچا سکتے ہیں

دماغ کو فکر اور اضطراب سے آزاد رکھیں

آج کے دور میں لوگوں کی اکثریت فکر اور تشویش کی زندگی بسر کر رہی ہے۔ ان کے چہروں سے پریشانیاں عیاں ہیں اور ان کی وضع قطع اور طور طریقوں سے ان کی زبوں حالی کا انداز لگایا جاسکتا ہے۔ تشویش بے حد نقصان پہنچانے والا اندرونی جذبہ ہے، جو بظاہر ایسا دکھائی نہیں دیتا۔ اس میں مبتلا انسان اپنی حظ نہیں اٹھاتا اور فطرت کے حسن سے بہرہ مند نہیں ہوتا کیوں کہ اس نے اپنے دل اور دماغ کو فکر اور اضطراب سے بند کر رکھا ہے، جس کی وجہ سے وہ اعصابی تناؤ میں مبتلا ہے۔ پریشانیوں اور اندیشوں میں گھرے ہوئے انسان کو چاہیے کہ وہ اپنا ہر دن بلکہ ہر لمحہ اچھی طرح گزارنے کی عادت اپنائے۔ ہر آنے والی کل اپنی فکر آپ کرے گی۔ وہ اس وقت ہماری نہیں ہے تو اس کے لیے خواہ مخواہ کیوں پریشان رہا جائے۔ ذہنی پراگندی کا طاقت ور تریاق خود ترغیبی میں پوشیدہ ہے۔ اپنے آپ سے بار بار کہیں" جہاں تک ممکن ہوا میں پریشان کن باتوں کا اثر نہیں لوں گا۔ میں اپنے کام کا ماہر بنوں گا، تاکہ ہنگامی حالت میں نا اہل افراد کی طرح نکال نہ دیا جاؤں، میں مایوس لوگوں کی طرح زندگی نہیں گزاروں گا۔" مثبت خیالات سے آپ اپنے جسم و روح کو بلند ترین مقام پر لے جا سکتے ہیں اور ان پر عمل پیرا ہونے سے آخر کار آپ کے سب اندیشے ختم ہو جائیں گے۔ یہی ایک طریقہ ہے، جس سے آپ اپنے ذہن کے تمام دریچے پریشانیوں کے داخلے کے لیے بند کر سکتے ہیں۔ آپ اسے ضرور اختیار کریں، تاکہ آپ کے منصوبے مکمل ہوں۔

شدید اعصابی تناؤ

اعصابی تناؤ میں شدّت پیدا ہونے سے بلڈ پریشر بڑھ جاتا ہے۔ اس تکلیف دہ حالت میں ضروری ہو جاتا ہے کہ ہر کام آہستگی اور میانہ روی سے کیا جائے، اگر آپ کام کے دوران کچھ دیر آرام نہیں کر سکے تو پھر آپ ضروری کام کاج عمدہ طریقے پر نہیں کر پائیں گے۔ سب سے ضروری بات یہ ہے کہ آپ سر میں بوجھ کے بارے میں ہرگز پریشان نہ ہوں اور پوری کوشش کیجیے کہ آپ کے کام اور آرام کے درمیان توازن قائم رہے۔ دوائیوں کے استعمال سے پہلے تکلیف کا اصل سبب معلوم کر لینا چاہیے۔

ذہنی ضبط کا فقدان

کھانا کھاتے وقت کوئی پریشان کن بات آپ کے ذہن میں آئے تو آپ اپنے آپ سے سوال کریں کہ مجھے اس لمحے کیا کرنا چاہیے، کھانا کھاؤں یا پریشانی اور تکلیف میں گھلتا رہوں، کیوں نہ اس وقت کھانا کھایا جائے اور دوسری باتیں ذہن سے نکال دی جائیں۔

ذہنی ضبط کے فقدان سے پریشانیاں، شکوک و شبہات ہمیں گھیرے لیتے ہیں اور شدید نقصان پہنچاتے ہیں۔ مصروفیت کے وقت اگر پریشانی کا کوئی خیال آپ کے ذہن میں آئے تو اس سے ایک انسان تصوّر کرتے ہوئے یہ کہہ دیجیے "میں اس وقت مصروف ہوں، تم پر توجہ نہیں دے سکتا، تم سے کسی اور وقت بات ہو گی۔"

وہی خیال اگر دوبارہ ستائے تو اس کا سامنا کیجیے اور مسئلے کا حل تلاش کر کے اسے ختم کر دیجیے۔ ہمیں چاہیے سب چیزوں سے بڑھ کر اپنے خیالات کی دنیا میں نظم و ضبط قائم کریں۔ ذہنی نظم و ضبط کی تعمیر سے ہی ہم خیالات کی سب سے اونچی سطح پر پہنچ سکتے ہیں۔ ہمیں یقین دلایا گیا ہے کہ ایمان کی طاقت سے انسان پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹا سکتا ہے، اسی طرح ذہنی نظم و ضبط کی بدولت ہم اپنے شعور سے شک و خوف اور پریشان کن خیالوں کے پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹا سکتے ہیں اور اپنی ذہنی سکون اور اطمینان کو برباد ہونے سے بچا سکتے ہیں۔

پریشانی کی وجہ سے بے خوابی

ہم سوتے وقت اپنے کاروباری مسائل کے بارے میں سوچ بچار میں مصروف نہ ہوں، بلکہ بستر پر لیٹتے ہوئے یہ خیال ذہن میں بٹھا لیں کہ آپ اپنے سارے مسائل کی گٹھڑی باندھ کر باہر چھوڑ آئے ہیں۔ دو چار بار اس کی مشق کرنے کے بعد آپ جلد ہی نیند کی آغوش میں چلے جائیں گے اور بے خوابی کی شکایت دور ہو جائے گی۔

قدرت کا فطری آہنگ، ہمارے لیے اپنے کاموں کو ایک فطری نظام کے تحت رکھنا ضروری ہے۔

* مشکل اور اہم کاموں کے لیے صبح کے اوقات زیادہ موزوں ہیں۔
* باقی معمول کے کام دن کے بقیہ حصّے میں کیے جا سکتے ہیں۔
* شام کو دفتر یا دکان بند ہونے پر آپ اپنے کاروبار کو وہیں چھوڑ دیں اور اپنی شام فرصت اور تفریح کے ساتھ گزاریں اور اس دوران اپنی کاروباری پریشانیوں کو ذہن میں مخل نہ ہونے دیں۔

ذہنی ریاضت

نفسیات کی رو سے دن کے مختلف اوقات کے دوران ذہنی ریاضت میں بتدریج کمی نہایت مفید اور درست ہے۔ صبح کے وقت دماغی کام زیادہ بہتر انداز میں ہوتا ہے۔ دوپہر کے بعد آدھا دماغ تھک چکا ہوتا ہے اور شام کو صرف ہلکے پھلکے امور طے کیے جاسکتے ہیں۔ اس عادت کو اپنانے سے آپ ذہنی دباؤ سے بچے رہیں گے اور رات کو گہری نیند سو سکیں گے۔ رات کے وقت اپنے آپ کو اپنے کاروبار کا چوکیدار بنالینا درست نہیں، جب آپ سونے لگیں تو کاروبار کو اپنی حفاظت خود کرنے دیجیے۔ بے شک یہ بڑی ضروری اور اہم بات ہے۔

گھریلو کشیدگی

میں اپنے تجربات اور مشاہدات کی روشنی میں پورے وثوق سے کہہ رہا ہوں کہ گھریلو تنازعات کا انحصار بھی اعصاب شکنی پر ہے۔ خاوند اور بیوی چند تند اور تیز الفاظ منہ سے نکال دیتے ہیں اور آپس میں لڑنا شروع کر دیتے، پھر بچے ماں باپ کے لیے تکلیف دہ بن جاتے ہیں۔ یہ سب باتیں ایک مثالی گھر کی شان کے خلاف ہے۔ عام طور پر یہ ناخوش گوار باتیں دن کے آخری میں ہوتی ہیں، جب دونوں میاں بیوی کو اعصابی تھکن ہوتی ہے۔

کوئی مرد سارا دن محنت کرتا ہے اور اپنے اعصابی تناؤ کو قابو میں نہیں رکھتا اور کچھ دیر کے لیے آرام بھی نہیں کرتا تو شام کے وقت گھر آنے پر اپنے ذہنی دباؤ اور تھکاوٹ کی وجہ سے پُرسکون حالت میں نہیں ہوگا، کیوں کہ صحت مند جسمانی تکان اور چیز ہے اور شدید اعصابی تکان دوسری چیز۔۔۔۔۔ یہ عجیب بات ہے کہ لوگ عام طور پر اپنے رشتہ داروں سے لڑنے سے نہیں جھجکتے، البتہ غیروں کے ساتھ لڑنے بھڑنے سے گریز کرتے ہیں۔

گو ان کی یہ روِش سراسر غلط ہے، مگر حقیقت یہ ہی ہے۔

کشیدگی کا سبب

گھر میں کشیدگی کا سبب گھر سے باہر تلاش کرنا چاہیے، اگر آپ کا کام دماغی اور بیٹھے رہنے کا ہے تو آپ گھر پہنچنے سے پہلے تھوڑی دیر کے لیے تیز قدموں کے ساتھ سیر کریں اور گہرے سانس لیں۔ اس طرح آپ کے ذہن سے سب جالے صاف ہو جائیں گے۔ تھکاوٹ دور ہو کر آپ ایک تروتازہ شخصیت کے مالک ہوں گے۔ گھر میں خوش خوش داخل ہوں گے، یوں اعصابی تناؤ دور ہونے سے آپ کی بیوی آپ کے غصے اور خفگی سے محفوظ رہے گی۔

اگر آپ ایک عورت ہیں اور دن بھر کے کام کاج میں مصروف رہتی ہے تو آپ میاں کے گھر آنے سے ایک گھنٹہ قبل آرام کر لیں۔ یہ عمل آپ کی شام اور رات کو بے حد پُرلطف بنادے گا۔

آپ شاید یہ کہیں کہ میرے لیے آرام کرنا ناممکن ہے، لیکن جب کسی بات کی اہمیت کا پتا لگ جائے تو اس پر عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

ازدواجی زندگی میں تناؤ

دن بھر میں ہر خاتون کو کچھ دیر کے لیے وقتاً فوقتاً آرام کرنا چاہیے۔ اسے مرد کی نسبت زیادہ مواقع حاصل ہوتے ہیں، مگر وہ ان سے فائدہ نہیں اٹھا پاتی، صبح سے دوپہر کے دوران دس منٹ اور دوپہر کے کھانے کے بعد آدھے گھنٹے کا آرام اسے اعصابی تناؤ اور تھکاوٹ سے محفوظ رکھے گا اور گھر میں خوشیاں اور امن لائے گا۔

ازدواجی زندگی میں تناؤ سے پیدا ہونے والی تکان عموماً خرابی کا باعث ہوتی ہے، حالاں کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ گھر میں کشیدگی کا باعث مزاجوں کا اختلاف ہے، جب کہ یہ میاں بیوی یہ دونوں میں سے ایک کا تعاقب ذہنی تکان کر رہی ہوتی ہے۔

کام یاب گھریلو زندگی

گھریلو زندگی اپنی حفاظت خود نہیں کرتی، اسے آپ کی مکمل توجہ درکار ہے، جس طرح آپ اپنے کاروبار کی طرف توجہ دیتے ہیں، اسی طرح اس پر بھی توجہ دیں، اگر آپ اپنی ساری اعصابی قوت رزق کمانے پر خرچ کر دیتے ہیں تو آپ کا گھر بدمزاجی اور افسردگی کا اکھاڑا بن جائے گا، جس میں مسرّت اور خوشی کا کہیں گزر نہیں ہو سکے گا۔ آپ کو احساس ہونا چاہیے کہ شام کا وقت گھر کی خوشیوں کے لیے سب سے اچھا وقت ہے، اس لیے اپنی قوت کا ایک حصّہ گھر میں لطف اندوز ہونے کے لیے بچا کر رکھیں۔ اس کے علاوہ اور چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں، جو گھروں میں خوشیاں لاتیں ہیں، مثلاً قوتِ برداشت، ہم دردی، صبر اور مزاج کو قابو میں رکھنے کی صلاحیت یہ ایسی خوبیاں ہیں جو بڑی اہمیت کی حامل ہیں، لیکن یہ سب خوبیاں اعصابی تکان سے متاثر ہوتی ہیں، لہٰذا مناسب یہی ہوگا کہ آپ اپنے اعصاب کو زیادہ تھکنے نہ دیں۔ میں پھر اس بات پر زور دوں گا کہ حد سے زیادہ تکان سے آپ اپنے آپ کو لازمی طور پر محفوظ رکھیں، تاکہ آپ کی گھریلو زندگی کام یاب گزرے اور خوشیوں کا گہوارہ بن جائے۔ آپ یہ بات کبھی نہ بھولیں کہ اعصابی تھکاوٹ آپ کی فراغت اور سکون کے لمحات کو اذیت ناک بنادے گی۔

احادیثِ مبارکہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:

"صَلْ مَنْ قَطَعَكَ وَاَحْسِنْ إِلٰى مَنْ اَسَآءَ إِلَيْكَ وَقُلِ الْحَقَّ وَلَوْ عَلٰى نَفْسِكَ"

سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں: جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہتھیار اپنے قبضہ میں لیے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار میں، میں نے ایک رقعہ پایا، اس میں لکھا تھا: "جو تیرے ساتھ قطع رحمی کرے تو اس کے ساتھ صلہ رحمی کر، جو تیرے ساتھ برا معاملہ کرے تو اس کے ساتھ اچھا سلوک کر اور حق بات کہہ اگرچہ وہ تیری ذات کے خلاف ہو۔"

صلہ رحمی سے عمر میں برکت ہوتی ہے۔ آپس میں صلہ رحمی اور میل جول رکھنے میں بڑے فائدے پنہاں ہیں۔ اپنے ہوں یا پرائے ان سے ملتے رہو، ان کے دکھ درد میں شریک رہو، بیمار ہو جائیں تو عیادت کے لیے جاؤ، انتقال ہو جائے تو جنازے میں شریک ہو، کوئی روٹھ جائے تو اس کو منالو، دل میں کسی کے لیے کینہ نہ رکھو۔ دو محبت بھرے جملے کہہ کر دل کو جیت لو کہ آپ نے مجھے چھوڑ دیا، مگر میں آپ کو کبھی تنہا نہ چھوڑوں گا۔

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ (البقرہ: 362)

ایک میٹھا بول اور کسی ناگوار بات پر ذرا سی چشم پوشی اس خیرات سے بہتر ہے، جس کے پیچھے دکھ ہو۔ اللہ بے نیاز ہے اور بُردباری اس کی صفت ہے۔

اپنی ذات کو فراموش کر کے دوسروں کے معاملات میں دلچسپی لو۔

سچ کہتا ہوں، جب آپ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی حدیثِ مبارکہ کو اپنی عملی زندگی میں رچائیں گے اور بسائیں گے تو آپ کے اعصاب پر خوش گوار اثرات مرتّب ہوں گے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ زندگی کے سفر میں قدم قدم پر راحت اور سکون عطا فرمائیں گے۔

اَلرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ، اِرْحَمُوْا اَهْلَ الْاَرْضِ، يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَآءِ

رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم فرماتا ہے، تم "زمین والوں پر رحم کرو، تو آسمان والا تم پر رحم کرے گا"

مستقبل کے معمار

نشا وقار

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں

اگر نوجوان قائداعظم کے شانہ بشانہ کھڑے نہ ہوتے، تحریک آزادی کی جدوجہد میں اپنا حصّہ نہ ڈالتے، جوش وولولہ پیدا نہ کرتے تو شاید علّامہ اقبال کا خواب ہمیشہ خواب ہی رہتا۔ نوجوان نسل کے کارناموں سے تاریخ بھری پڑی ہے

لیکن آج کا نوجوان اپنے حال سے پریشان اور مستقبل سے نا امید دکھائی دیتا ہے۔ سفارش، رشوت اور کرپشن نے ہماری نئی نسل کو ہلکان کر دیا ہے۔ جو ہمارے مستقبل کے معمار ہیں، جنہیں ہمارے ملک کی باگ ڈور سنبھالنی ہے، وہ غمِ معاش میں دردر کی ٹھوکریں کھا رہے ہیں، بے روزگاری سے تنگ آکر خودکشی کر رہے ہیں۔ ایسے وقت میں نوجوانوں کو مایوسیوں سے نکال کر انہیں حوصلہ دینا چاہیے، انھیں بتانا چاہیے کہ راستے کتنے ہی کٹھن کیوں نہ ہوں اور رکاوٹیں کتنی ہی کیوں نہ ہوں، انہیں مسلسل آگے بڑھنا چاہیے، انہیں ان کا شان دار ماضی یاد دلانا ہے، اسلام نے نوجوانوں کو داعی، مصلح، غازی، صادق، پاک باز، زاہد و تقوی جیسے القابات سے نوازا ہے۔

نہ ہو نومید، نومیدی زوال علم وعرفان ہے
امید مرد مومن ہے خدا کے راز دانوں میں
سبق پڑھ پھر صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

لیکن افسوس صد افسوس آج کا نوجوان دنیا کی امامت تو کیا کرے گا، وہ خود مایوسی ناامیدی اور غلط روش پر چل کر تباہی کے دہانے پر آپہنچا ہے، نسل نو کی تباہی ملک و قوم کی تباہی ہے۔ ملک و قوم ایک عمارت ہے اور نوجوان اس کی بنیاد اور بنیاد میں اگر ایک اینٹ بھی غلط لگ جائے تو عمارت کا نقشہ بدل جاتا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے عمارت زمین بوس ہو جاتی ہے جب ہم کوئی عمارت تیار کرتے ہیں، تو اُس کی بنیاد مضبوط بنائی جاتی ہے، تاکہ عمارت طاقت ور ہو، جس طرح ایک عمارت کی تعمیر میں ایک ایک اینٹ بنیادی حیثیت رکھتی ہے، اسی طرح ملک کی تعمیر و ترقی میں قوم کا ایک ایک فرد بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

لہٰذا نوجوانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے اندر سے مایوسی اور ناامیدی کو نکال پھینکیں اور ملک کی تعمیر و ترقی کے لیے اپنے اندر وہ صلاحیتیں پیدا کریں، جو ملک کی تعمیر و ترقی کے لیے مثبت ہو، اپنے آپ کو قابل بنائیں اور قابلیت کے لیے اپنی زندگی میں کچھ اصول مرتب کریں۔ بغیر اصول بغیر مقصد کے زندگی گزارنا جانوروں کا شیوہ ہے۔ جب تک آپ کی زندگی کا کوئی مقصد نہیں ہوگا، اس مقصد کو حاصل کرنے کے اصول نہیں ہوں گے، تب تک آپ نہ صرف اپنے لیے بلکہ ملک و ملت کے لیے بھی ایک اضافی بوجھ ہوں گے۔ کامیابی کی سیڑھیاں چڑھنے کے لیے منزل مقصود پر پہنچنے کے لیے آپ کو زندگی گزارنے کے لیے ان اصولوں کا خیال کرنا چاہیے۔

1. اپنی زندگی سے لفظ ناممکن اور مایوسی کو نکال باہر کریں۔ مایوسی گناہ ہے، بحیثیت مسلمان اس گناہ کو اپنی زندگی سے خارج کر دیں اور امید کا دامن تھام کر اپنی صلاحیتوں پر اعتماد کر کے آنے والے حالات کا ڈٹ کر مقابلہ کریں "میں یہ نہیں کر سکتا، مجھ سے یہ نہیں ہوگا، یہ میرے بس کا کام نہیں۔" جیسے جملوں کو اپنی زندگی سے نکال پھینکیں، جو کرنا ہے، آپ نے خود کرنا ہے آپ کو اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کرنی ہے، گرنے لگیں تو سنبھلنے کی کوشش کریں اور آگے بڑھتے جائیں۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

2. کامیابی و کامرانی وقت کی پابندی کی محتاج ہے۔ اپنے آپ کو وقت کا پابند بنائیں ہر کام وقت پر طریقے سے کریں۔ روز قیامت اللہ آپ سے آپ کے گزارے ہوئے ایک ایک لمحے کا حساب مانگے گا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"قیامت کے روز انسان کے قدم (حساب کی جگہ سے) نہ ہٹ سکیں گے، جب تک کہ اس سے پانچ چیزوں کا سوال نہ ہو جائے گا

* عمر کا سوال ہوگا کہ کس مشغولیت میں گزاری * جوانی کا سوال ہوگا کہ کہاں ضائع کی * مال کا سوال ہوگا کہ کہاں سے کمایا * اور کہاں خرچ کیا۔ * علم کا سوال ہوگا کہ جو علم تھا اس پر کتنا عمل کیا۔" (ترمذی)

لہٰذا موقع پر چوکا لگانا سیکھیں، وقت پر کیے جانے والے عقل مندانہ فیصلے آپ کو بہت سے مسائل سے بچا سکتے ہیں، آج کا کام کل پر مت چھوڑیں۔ وقت کا صحیح استعمال آپ کو دین و دنیا دونوں میں سرخ رو کرے گا۔ اپنا وقت، مال، جوانی اور علم کو صحیح جگہ پر مثبت طریقے سے استعمال کریں۔ یاد رہے روز قیامت اللہ رب العزت آپ سے ان سب چیزوں کا حساب لے گا۔ لہٰذا اپنی تمام صلاحیتوں کو وقت مقررہ پر بروئے کار لا کر ملک و قوم کی خدمت میں اپنا حصہ ڈالیں کہیں ایسا نہ ہو کہ اپنی سستی کاہلی کے باعث آپ ہاتھ ملتے رہ جائے اور وقت نکل جائے۔

3. تعلیم و ہنر کے بغیر ہم صفر ہیں، ہمارے ہاں تعلیمی اداروں کے اسٹیٹس ہیں، ہر طبقے کا الگ تعلیمی ادارہ ہے لیکن ہمیں ہرگز ہمت نہیں ہارنی، جو سہولتیں ہمیں حاصل ہیں، انہی کو بروئے

کار لاکر قوم کی تعمیر و ترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا ہے اور ہمارے معاشرے کا وہ طبقہ جو بالکل زمین سے لگا ہوا ہے ان کے بچوں کو پڑھانا ہے انھیں قابل بنانا ہے ہر چیز کے لیے حکومت کی طرف نہیں دیکھنا چاہیے۔ اپنے زور بازو پر جو کر سکتے ہیں کریں۔ ایک دوسرے کا ساتھ دے ایک دوسرے کا سہارا بن کر ہی ہم آگے بڑھ سکتے ہیں

شکوۂ ظلمت شب سے تو کہیں بہتر تھا
اپنے حصّے کی کوئی شمع جلاتے جاتے

4 نت نئے ہنر، جدید ٹیکنالوجی، بین الاقوامی زبانوں پر عبور آپ کے ملک کی معاشی، تعمیری و ترقی کے لیے معاون ثابت ہوگا۔

5 آپ کی ترجیحات میں سے اولین ترجیح آپ کا ملک پاکستان ہے، جس سے آپ کو محبت کرنی ہے، دنیا کے کسی بھی کونے میں چلیں جائیں۔ ملک سے وفاداری آپ کی رگوں میں خون کی طرح شامل ہونی چاہیے۔

6 والدین، اساتذہ اور بزرگوں کی عزت کریں، ان کی صحبت ان کے تجربات، نصیحتیں، مشورے آپ کے لیے کارآمد ہوں گے۔ انہیں غور سے سنیں اور ان پر عمل کریں یہ ہمیشہ ذہن میں رہنا چاہیے:

باادب بانصیب بے ادب بد نصیب

7 انٹرنیٹ کا صحیح استعمال آپ کو اوج ثریا عطا کرے گا اور غلط استعمال آپ کو پاتال کی گہرائیوں میں لا پھینکے گا بد قسمتی سے اس وقت ذرائع ابلاغ سنوارنے سے زیادہ بگاڑنے کا کام کر رہا ہے۔ بے حیائی اور اخلاق باختگی کی بدولت آج نوجوانوں میں خوف، تناؤ، اخلاقی بگاڑ، وقت کا ضیاع، ذھنی اور نفسیاتی پریشانیاں دن بدن بڑھتی جارہی ہیں۔ میڈیا سے کٹ کے زندگی گزارنا تو مشکل ہے۔ اب یہ ہم پر منحصر ہے کہ ہم اس کا مثبت استعمال کرتے ہیں یا منفی۔ البتہ نوجوانوں میں سوجھ بوجھ، اچھے برے کی پہچان اور اعتدال کا ہونا ضروری ہے۔ ذرا سا نفس پر قابو، تھوڑے سے شعور، پختگی اور مقصد کے ساتھ ہم سوشل میڈیا کو اپنے لیے اپنی قوم کے لیے کارآمد بنا سکتے ہیں۔

شاعر مشرق علامہ اقبال نے بھی نوجوانوں کو اپنا کردار متعین کرنے میں بہترین رہنمائی کی۔ آپ نے مسلم نوجوانوں کو "شاہین" کا لقب دیا۔

قناعت نہ کر عالم رنگ و بو پر
چمن اور بھی ہیں، آشیاں اور بھی ہیں
تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا
تیرے سامنے آسمان اور بھی ہیں

لہٰذا اپنا آسماں خود منتخب کریں، اڑتے جائیں، آگے بڑھتے جائیں، کامیابی آپ کی قدم بوسی کے لیے خود دوڑی چلی آئی گی۔

اپنا وقت تعمیراتی کام میں صرف کرنے کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ تفریح آپ کی زندگی سے نکل گئی اور آپ ایک خشک اور بور بندے بن کر رہ گئے ہیں۔ آپ تفریح کے لیے وقت نکال سکتے ہیں۔ ان ڈور آوٹ ڈور کھیل آپ کو جسمانی اور ذھنی طور پر پر تروتازہ رکھتے ہیں۔ ذھنی اور جسمانی طور پر تروتازہ ہونا آپ کے مقاصد کے حصول کے لیے کارآمد ہوگا۔

8 ووٹ کا صحیح استعمال آپ کے مستقبل کو روشن کر سکتا ہے، آپ کے درست فیصلے سے ایک اچھی حکومت آئے گی، جو ملک و قوم کے لیے بہترین ہوگی، اچھے حکمران اور اچھی حکومت کی راہ ہمیشہ نوجوان ہی ہموار کرتے ہیں۔

9 بہادر مرد وہی ہے، جس کے قابو میں اس کا غصہ ہے، اپنے غصے اپنے جذبات کو قابو میں رکھ کر ہر کام ٹھنڈے دماغ سے کرنا، اپنے ارد گرد کے منفی رویوں کو برداشت کر کے اپنے مثبت رویہ سے لوگوں کی منفی سوچ کو ختم کرنا چاہیے۔ جس طرح جلتی ہوئی آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے اسی طرح غصہ انسان کو فنا کر دیتا ہے۔

10 نشے اور برائیوں سے ہمیشہ دور رہیں اور یہ ذہن میں رکھیں کہ فحاشی اور نشہ نوجوان نسل کو دیمک کی طرح چاٹ جاتا ہے اور یہ ہی دشمنان اسلام کا ہم پر بڑا گہرا وار ہے۔

11 انتہا پسندی، لسانیت اور فرقہ واریت کو اپنے معاشرے سے ختم کر کے ہمیں ایک جھنڈے تلے جمع ہونا ہے ہمارے متحد ہونے کے لیے صرف اتنا کافی ہے کہ ہم پاکستانی ہیں ایک کتاب ایک اللہ ایک رسول کے ماننے والے اتحاد، تنظیم، یقینِ محکم پر عمل کریں تاکہ دنیا اور آخرت میں عروج ہمارا مقدر بنے۔

12 اپنی انا، خودداری، غیرت کو چند کاغذ کے ٹکڑوں کے عوض فروخت نہیں کرنا چاہیے۔

13 مغرب کی پیروی کی بجائے اپنے شان دار ماضی اور اسلامی ہیروز کے نقشِ قدم پر چلیں جنہوں نے ایک عرصے تک دنیا پر حکمرانی کی، اگر ہم آج ان جیسے بن جائیں تو وہ وقت دور نہیں، جب دنیا پر پھر سے ہمارا سکہ چلے گا...

اپنی مٹی پر چلنے کا سلیقہ سیکھو
سنگ مرمر پر چلو گے تو پھسل جاؤ گے

14 صبر و شکر ایک ایسی سواری ہے، جو اپنے سوار کو گرنے نہیں دیتی۔ صبر و شکر کی رسی کو تھام کر آپ کو آگے بڑھنا ہے اور یاد رکھیے آگے بڑھتے ہوئے قانون شکنی نہیں کرنی۔ ملک میں موجود قانون کا احترام سب کے لیے لازم ہے، آپ مومن ہیں ایمان داری آپ کی گھٹی میں شامل ہے۔ آپ کی اولین ترجیح کام کام اور بس کام ہونا چاہیے۔

15 کامیابی کے لیے مستقل مزاجی بہت ضروری ہے، ذاتی نفع و نقصان کا سوچیں گے تو شاید وقتی طور پر کامیابی آپ کو مل جائے گی لیکن یہ کامیابی دائمی نہیں ہوگی، مجموعی اور پوری قوم کی کامیابی سے ہی ملک ترقی کرے گا۔ یاد رہے کہ ہم پاکستان سے ہیں۔ پاکستان ہے تو ہم ہیں اور آپ تو ماشاء اللہ مستقبل کے معمار ہیں، آپ کے ہاتھوں میں اس ملک کی باگ ڈور ہے، اس ملک کی حفاظت کرنا اس کی تعمیر و ترقی کے لیے دن رات کوشاں رہنا اب آپ کے فرائض میں شامل ہے۔ یاد رہے ہمارے بزرگوں نے ملک خداداد کو حاصل کرنے کے لیے ایسی ایسی قربانیاں دی ہیں جنھیں سن کر روح کانپ جائے۔ دل دہل جائے اب یہ آپ کا کام ہے کہ آپ شب قدر کو اللہ رب العزت کی طرف سے ملنے والے اس خوب صورت انعام پاکستان کی قدر کریں، اس کی حفاظت کریں اور اس کی تعمیر و ترقی کے لیے ہمیشہ کوشاں رہیں۔

ہم لائے ہیں طوفان سے کشتی نکال کے
اس ملک کو رکھنا میرے بچو سنبھال کے

NEW Zaiby Jewellers CLIFTON

A trusted name in jewellery since 1974

CHARISMATIC & Pristine

021 35835455,
35835488

S-11, Yousuf Grand Square,
Block 8, Clifton, Karachi

newzaibyjewellers

پہلی قسط

تیری راہ میں

زینب گوہر

''کیا تم سچ میں ہمارے خدا ہو' تم نے ہی ہمیں پیدا کیا ہے؟''ایک چھوٹی سی بچی اسٹور روم میں بنے مندر میں ایک بت کے قریب بیٹھی اس سے پوچھ رہی تھی۔کافی دیر تک جب کوئی جواب نہ ملا تو پھر بولی۔''تم بولتے بھی نہیں ہو' کچھ کھاتے بھی نہیں' اگر چند دن ماں ادھر کی صفائی نہ کریں تو تم پر دھول بھی آجاتی ہے''اس نے دھیمی آواز میں کہا۔ اس کے ذہن میں بہت ساری الجھنیں تھیں 'جن کو گھر میں کوئی سلجھانا نہیں چاہتا تھا۔

''شیلا! ''بڑی بہن کی آواز پر وہ تیزی سے اٹھی' اس کے سونے کا وقت ہو گیا تھا ۔۔''معاف کرنا بھگوان ! ''وہ خود کو کوستی باہر بھاگنے لگی۔ اس کے نزدیک اس طرح بھگوان سے سوال جواب گناہ تھا لیکن وہ بار بار ایسا کر جاتی تھی۔

***

''بچو!! جلدی کرو' اسکول کو دیر ہو رہی ہے ! شیلا' کرن ! ''صبح کی افراتفری تھی۔ کرن ناشتا کرنے میں دیر لگا رہا تھا جب کہ ہمیشہ کی پڑھا کو شیلا سبق دہرانے میں لگی تھی۔ بلاوے پر دونوں تیزی سے دروازے کی طرف لپکے' جہاں ڈرائیور ان دونوں کا انتظار کر رہا تھا۔ دونوں شہر کے ایک معیاری اسکول میں پڑھتے تھے۔شیلا پچھلی سیٹ پر براجمان ہو گئی جبکہ کرن ڈرائیور کے ساتھ آگے بیٹھ گیا' بیگ ڈگی میں رکھ دیے گئے۔ ڈرائیور نے گاڑی اسٹارٹ کر دی ۔ شیلا پنجم جماعت میں تھی جبکہ کرن دوسری جماعت میں تھا۔ شیلا ہمیشہ فرسٹ آتی تھی جس پر اس کے والد کو بہت فخر تھا' وہ اسے اس کی باقی بہنوں سے ہٹ کر بہت پڑھانا چاہتے تھے ۔ جبکہ کرن کا عام لڑکوں کی طرح پڑھائی کے علاوہ ہر چیز میں دل لگتا تھا۔ گاڑی ان کے اسکول کے سامنے رکی تو دونوں اس طرف چل دیے۔

***

پراکاش صاحب کے 6 بچے تھے۔ جن میں سے بڑے دو کو یونی ورسٹی میں پڑھائی سے زیادہ داداگیری کرنے کا شوق تھا' خاص طور پر بڑے بیٹے آکاش کو۔ چھوٹا سا لیکن خطرناک پستول ہر وقت جیب میں رکھتا تھا دوسروں کو ڈرانے دھمکانے کے لیے وقتاً فوقتاً نکالتا' اسے لہراتا اور پھر جیب میں ڈال لیتا۔ان دو کے بعد ان کی دو بیٹیاں تھیں' جن کی انہوں نے چھوٹی عمر میں ہی رشتے طے کر دیے تھے۔ وجہ پراکاش صاحب کے خاندان کا روایتی پن تھا۔ وہ جس گاؤں سے تعلق رکھتے تھے' وہاں لڑکیوں سے بے حد نفرت کی جاتی تھی' بیٹیاں بوجھ سمجھی جاتی تھیں۔ پراکاش کی اپنی دونوں بہنوں کی 6 اور 8 سال کی عمر میں شادیاں کر دی گئی تھیں اور شادی کے بعد ان کے باپ نے مڑ کر نہیں دیکھا کہ آیا وہ زندہ ہیں یا مر گئیں۔

پراکاش صاحب کے والد سبزی بیچا کرتے تھے' بیٹیوں کے ساتھ ان کا جو بھی سلوک تھا' پراکاش کو انہوں نے بڑے لاڈ پیار سے پالا تھا' پڑھا لکھا کر بیٹے کو بڑا ڈاکٹر بنانا ان کا خواب تھا اور یہ خواب پورا ہوا اور پراکاش میں بھی سچی لگن تھی' انہوں نے دن رات ایک کی اور آج اس مقام پر پہنچ گئے تھے کہ اپنے خاندان کے اکثر لوگوں کو کہیں نہ سیٹل کر دیا تھا۔ اور شہر بھر میں میڈیکل اسٹوروں کی ایک چین تھی جو وہ چلا رہے تھے۔

دو بیٹیوں کے لیے تو وہ اپنے بڑوں کی طرح ویسے ہی روایتی باپ رہے' لیکن تیسری بیٹی شیلا جب پیدا ہوئی تو وہ اپنے بڑوں کے اصول و قواعد بھول گئے۔ وہ اس سے بے حد محبت کرنے لگے تھے۔ شیلا کی پیدائش پر ہی انہوں نے بیٹیوں سے محبت کرنی شروع کی' پراکاش نے ہی خاندان میں بیٹیوں سے محبت کرنے کی ریت ڈالی۔ تعلیم نے پراکاش کو شعور بخشا تو وہ بلا تفریق ہندو مسلمان سب غریبوں کی مدد کرنے لگے۔ لیکن اس سب کے باوجود مذہب کے معاملے میں وہ کٹر ہندو تھے۔ یہی وجہ تھی کہ بچوں کا میل جول اپنی برادری کے بچوں سے ہی رکھا' انہیں اسکول میں کبھی اسلامیات نہ پڑھائی۔

گھر کا ماحول بھی خاصا مذہبی تھا' گھر میں مندر تھا' بیوی ان کی سندور لگاتی' روز پوجا کیا کرتی۔ بچے اگرچہ صرف امتحانوں میں مندر کا چکر لگاتے لیکن خود ڈاکٹر پراکاش کو یقین تھا کہ ان کی مذہب سے جڑیں اتنی مضبوط ہیں کہ وہ اس مذہب کو کبھی نہ چھوڑیں گے لیکن ان کا یہ یقین بہت جلد غلط ثابت ہونے والا تھا۔

***

شیلا ڈاکٹر پراکاش کی لاڈلی تھی تو ظاہر ہے طبیعت میں نخرہ ہونا لازمی بات تھی' وہ

بے حد لاڈلی اور کسی حد تک بد تمیز بھی تھی۔ ان منفی صفات کے باوجود وہ بے حد ذہین تھی۔ ہر بات کا بڑے غور سے مشاہدہ کرتی تھی۔ اس کے اسکول اکثر بچے مسلمان ہی تھے اگرچہ وہ مسلمان بچوں سے دوستی نہ کرتی تھی مگر کچھ ایسا ضرور تھا' جو اسے اپنے اور ان کے درمیان الگ محسوس ہوتا۔ چھوٹی عمر سے وہ وجہ سوچتی لیکن جواب نہ مل پاتا۔ سات سال کی ہوئی تو ہندو مذہب کے متعلق والدین سے سوالات کرنا شروع کیے۔ وہ ایسے سوالات کرتی جن کا جواب دینے سے اس کے والدین قاصر تھے۔ ہاں ڈاکٹر پراکاش یہ ضرور کرتے کہ ایسی کیسٹیں لاتے جن میں رام سیتا اور ان کے مقدس لوگوں کی زندگی کے واقعات بتائے جاتے۔ باقی بہن بھائیوں کو تو ان چیزوں سے دل چسپی نہ تھی لیکن شیلا ان میں ضرور دل چسپی لیتی تھی۔ عمر کی منازل طے کرنے کے ساتھ ساتھ کچھ سوالات تھے' شبہات تھے جو پروان چڑھ رہے تھے۔ وہ خود کو جواب دے کر اپنے مذہب سے مطمئن کرنا چاہتی تھی مگر ایسا کر نہیں پا رہی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ ہمیں بنانے والے بگھوان اتنے زیادہ کیوں ہیں؟ اور اگر سیتا ہماری ماتا ہیں تو اتنے نازیبا لباس کیوں پہنتی ہیں؟

انہی بے چین سوچوں کے ساتھ وہ چھٹی جماعت میں آ گئی' پھر اچانک کچھ ایسا کچھ ایسا ہوا کہ اس کا اور کرن کا اسکول تبدیل ہو گیا' نئے اسکول میں اسے بتایا گیا: ''آپ کو عربی لازمی پڑھنا ہو گی''

''لیکن سر! میں غیر مسلم ہوں' میرے لیے کوئی متبادل مضمون ہونا چاہیے۔''

''ہمارے اسکول میں متبادل مضمون نہیں' کل عربی کی کتاب آپ کے پاس ہونی چاہیے۔'' سر تو یہ کہہ کر سبق پڑھانے میں مشغول ہو گئے مگر اسے بے چین کر گئے۔ ''پاپا!'' یہ کیا سلوک ہے' آپ بات کریں نا ان سے' میں عربی کیسے پڑھوں گی' میں فیل ہو جاؤں گی۔۔ رات کو وہ اپنے باپ کے سامنے رو رہی تھی۔ وہ بے حد ذہین تھی اور عربی پڑھنے کی صورت میں اسے اپنی پوزیشن خطرے میں نظر آ رہی تھی۔

اس کے پاپا نے اسے تسلی دی۔ اور پھر پاپا نے اسکول والوں پر پریشر ڈالا تو اسے متبادل مضمون پڑھنے کی اجازت مل گئی لیکن یہ کیا۔۔۔ وہ خود عربی پڑھنے پر راضی ہو گئی' پاپا کے پوچھنے پر اطمینان سے بولی ''میں خود کو چیلنج دینا چاہتی ہوں پاپا! عربی ایک زبان ہی تو ہے!'' اپنی ذہین بیٹی کے عزم کے آگے ان کے اندر کا کٹر ہندو ہار گیا تھا۔ شیلا نے اپنے پاپا کو یہ نہیں بتایا کہ وہ تجسّس میں مسلمانوں کی مقدس زبان کو پڑھنا چاہتی تھی اور یہ فیصلہ اچانک ہی اس سے ہو گیا تھا۔ یہ اس کا قرآن کی زبان سے پہلا تعارف تھا۔ اس نے دل جمعی سے عربی کا ''رٹا'' مارا اور جب اس نے عربی میں 96 نمبر لیے تو سر نے مسلمان طالبات کو شرم دلائی۔ ''جب یہ ہندو ہونے کے باوجود 96 نمبر لے سکتی ہیں تو آپ لوگ کیوں نہیں؟'' مسلمان طالبات کے سر جھک گئے تھے جب کہ شیلا خوشی خوشی اپنا پیپر دیکھنے لگی جس پر بہت سارے تعریفی ریمارکس لکھے تھے۔

***

وہ ابھی چھٹی میں ہی تھی' جب اس کی دوسری نمبر کی بہن کی شادی کا وقت آ گیا۔ اور اسے اپنے مذہب کے رسم و رواج کو مزید جاننے کا موقع ملا۔ سنگیت' مہندی اور رخصتی کی تقریبات کو انجوائے کرتے وہ اپنے سوالات کو تقریباً فراموش ہی کر چکی تھی۔ اپنی بہن کے سسرال پہنچ کر بھگوانوں کی تصاویر کو دیکھ کر پھر سے الجھ گئی۔ اس تصویر میں جو کرشن تھے' وہ شیلا کے گھر میں موجود کرشن سے یکسر مختلف شکل کے تھے۔

''اگر کرشن ایک ہی ہیں تو پھر' تصاویر الگ کیوں؟'' اس کے اندر سوال اٹھا۔ ''شیلا' ادھر آؤ نا!'' اس کی خالہ کی بیٹی نے اسے پکارا تو وہ الجھے ذہن کے ساتھ اس کی طرف چل دی۔

***

نویں کلاس میں آنے کے بعد اسے اسلامیات بھی پڑھنا تھی۔ اسے احادیث مبارکہ بہت اچھی لگتی تھیں' جب سر قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے تو اس کی بے چینی بڑھ جاتی' رسول اللہ کو جاننے کی جستجو ہوتی لیکن اسے راہ دکھانے والا کوئی نہ تھا۔ ''سنو!!'' وہ کلاس سے نکل رہی تھی تو اس کی ایک ساتھی طالبہ نے اس کو آواز دی ''مجھ سے دوستی کرو گی؟'' یہ سمیہ تھی' اس کے سوال پر اس نے پوچھا: ''تم مجھ سے دوستی کیوں کرنا چاہتی ہو؟''

''تم جینئس جو اتنی ہو!'' سمیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''ٹھیک ہے۔'' شیلا کہہ کر چل پڑی' سمیہ اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔ شیلا کو اس کی کمپنی بری نہیں لگ رہی تھی' شاید اس لیے کہ سمیہ ایک ہنس مکھ لڑکی تھی' دوسری وجہ یہ تھی کہ آج اس کی خالہ کی بیٹی نہیں آئی تھی۔ یہ خالہ اس کی چچی بھی تھیں۔ اس کے چچا کا انتقال ہو گیا تھا۔ جس کے بعد چچا کی بیوی اور ان کے سات بچوں کی سرپرستی ڈاکٹر پراکاش ہی کر رہے تھے۔ ان کو رہنے کے لیے گھر بھی پراکاش نے لے کر دیا تھا۔ شیلا کی کزن اجنتا سے اس کی بہت دوستی تھی حالاں کہ وہ عمر میں شیلا سے چھوٹی تھی۔ شیلا اسے پڑھائی کی طرف راغب کرنے کی کوشش کرتی کیوں کہ وہ بھی بہت ذہین تھی' لیکن اس میں مزید آگے پڑھنے کی لگن نہ تھی۔ اور آج کل ویسے بھی اس کی ایک ایسی لڑکی سے کافی دوستی تھی جو کم از کم شیلا جیسی پڑھاکو' کو نہ بھاتی تھی۔ وہ اجنتا سے بھی زیادہ پڑھائی سے لاپروا تھی۔ شیلا اور سمیہ ایک بینچ پر ساتھ بیٹھ کر باتیں کرنے لگیں۔ تھوڑی ہی دیر میں دونوں اچھی دوست بن گئی تھیں۔

***

اسکول میں سالانہ امتحان کی تیاری شروع ہو چکی تھی۔ کچھ تو ٹیچرز کی تاکید اور کچھ شیلا کی فطرت آج کل اس کا مشغلہ صرف پڑھائی تھا۔ اجنتا سے بھی کچھ دنوں سے اس کی زیادہ بات چیت نہیں ہو رہی تھی۔

ہاں سمیہ اکثر اس کے گھر آ جاتی۔ یہ واحد مسلمان لڑکی تھی' جس کو اس کے گھر والوں نے معقول قرار دیا تھا۔ اس کے بڑے بھائی بھی سمیہ کے والد سے مل کر مطمئن تھے۔ وہ اور سمیہ دونوں ہی پڑھائی میں سنجیدہ تھیں' سونے پر سہاگا گھر بھی نزدیک تھا۔ لہٰذا مل کر پڑھنا دونوں کا معمول بن گیا۔

''یہ کیمیا مجھے سمجھ نہیں آ رہی'' شیلا نے ایک دن بہت بیزاری سے کہا' کیمیا اسے مشکل لگ رہی تھی۔ بے تکی سی۔ ''مجھے تو جو سمجھ نہ آئے اپنی آپی سے پوچھ لیتی ہوں! انہوں نے ماسٹر کر رکھا ہے'' سمیہ فخر سے بولی۔ دونوں پھر سے کتابوں میں گم ہوئی ہی تھیں کہ سمیہ نے اچانک شیلا کی کہنی تھامی: ''شیلا!''

''آرام سے سمیہ'' شیلا کو سمیہ کا یوں پکڑ کر بات کرنا بُرا لگتا تھا ''تم میری آپی سے ٹیوشن کیوں نہیں پڑھ لیتیں؟''

''ارے ہاں! یہ تو بالکل ہو سکتا ہے' یہ خیال مجھے پہلے کیوں نہ آیا؟'' شیلا خوشگواری سے بولی۔ وہ پہلے بھی پڑھائی کے سلسلے میں ٹیچرز سے پڑھتی رہی تھی' اسے اس معاملے میں مکمل آزادی تھی۔ اسے ڈاکٹر بننے کا جنون تھا اور اس میں کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ ''تو تم کل سے آ رہی ہو نا آپی سے پڑھنے! ہرے ے ے''

سمیہ خوشی سے چلائی۔ شیلا نے اس کو جلدی سے چپ کرایا مبادا کوئی ڈر کر سوال جواب کرنے نہ آ جائے۔

***

''اچھا بھئی تو آپ ہیں شیلا۔۔۔ میرا نام عافیہ ہے اور میں سمیہ کی بڑی بہن ہوں''

(جاری ہے)

اصلاح۔۔۔ مگر کیسے؟

اُمِّ نُسیبہ

"ارے شمسہ تم نے یہ کیا پہنا ہوا ہے؟ اس تنگ پاجامے میں تو نماز ہی نہیں ہوتی. عجیب و غریب فیشن ہیں بھئی!! بندہ کپڑے پہن کے بھی ننگا لگتا ہے. استغفراللہ استغفراللہ۔۔ ارے یہ قیامت کی نشانی ہے قیامت کی" کشور نے کانوں کو ہاتھ لگا کر کہا' آس پاس بیٹھی چند خواتین نے بھی تائید اًسر ہلایا۔اور قریب بیٹھی شمسہ کا دل چاہا کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔ وہ ایک عرصے بعد خاندان کی ایک شادی میں شرکت کی غرض سے والدین کے ہمراہ لاہور آئی تھی۔ شرمندگی کے باعث پوری تقریب میں ایک جگہ بیٹھی رہی۔

***

راحیلہ اپنی شادی کے بعد اپنی نند کے گھر ہونے والی دعوت میں شریک تھی' ابھی کھانا شروع ہی کیا تھا کہ راحیلہ کی نند سیمہ بولی: "ارے بھابھی آپ عالمہ ہو کر بھی چمچے سے کھا رہی ہیں!!! ہاتھ سے کھانا سنت ہے نا! ہم نے تو آپ کی وجہ سے میز کی بجائے دستر خوان پر کھانا چنا کہ ہماری عالمہ بھابھی کو بُرا نہ لگے۔ ہاں بھئی مولوی لوگ سارے مسئلے بس عوام کے لیے بتاتے ہیں اپنے لیے تو سب جائز ہوتا ہے۔"

بظاہر مذاق میں ہنستے ہو کہا گیا تھا۔ مگر راحیلہ کے اندر چھناکے کے ساتھ کچھ ٹوٹا تھا۔ بڑی مشکل سے لقمے اندر اتارے۔ عالمہ کا لیبل لگنے کے بعد وہ اس طرح کے جملے سننے کی عادی تھی' مگر اس نئے ماحول میں شادی کے ایک ہفتے بعد ہی ایسا سن کے بڑی سبکی محسوس ہوئی۔

***

"ارے بہن! آج کل کی بہوئیں کوئی کام کرتی ہیں بھلا!!!! اب ہماری بہورانی کو ہی دیکھ لو.. ڈبے کے مسالے ڈالے اور اوٹ پٹانگ پکا کے رکھ دیا۔ بچے کے ہاتھ میں موبائل پکڑایا' ریڈی میڈ چیزوں کے نام پر الا بلا کھلا کھلا کے بچے کی صحت کی دشمن بن گئیں' ایک پیمپر باندھا دوسرا اتارا۔۔۔ ہونہہ۔۔۔!!! بچے تو ہم نے پالے تھے' محنت کی تھی محنت۔۔۔ ان کی طرح سارا دن چارپائیاں نہیں توڑی تھیں۔ راشدہ بیگم اپنی بہن کی آمد پر دل کے پھپھولے پھوڑ رہی تھیں۔ جان بوجھ کر بلند آواز میں باتیں کر رہی تھیں تاکہ دوسرے کمرے میں موجود بہو سن سکے اور دوسرے کمرے میں بیٹھی ان کی بہو ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال رہی تھی۔ شادی کے پانچ سال بعد وہ ان باتوں کی عادی ہو چکی تھی۔ ہر وقت دوسروں کی مثالیں اور اپنی برائیاں سن سن کر پک چکی تھی اور تسلیم کر چکی تھی کہ وہ ایک بُری بہو ہے اور سدا ایسی ہی رہے گی۔

***

رافعہ بڑبڑاتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی۔ نہ سلام نہ دعا اور شروع ہی ہو گئی۔

"دیکھو ریحانہ باجی! اپنے بچوں کو سمجھا لو۔ سارا سارا دن گلی میں کھیلتے رہتے ہیں۔ میرے دروازے کے سامنے شور مچائے رکھتے ہیں۔ بندہ دن میں آرام بھی نہیں کر سکتا۔ یہ تمھارا کام ہے کہ ٹی وی اور فلموں کا پیچھا چھوڑو اور ان کی تربیت پر توجہ دو۔ میرے بھی تو بچے ہیں صرف شام میں باپ کے ساتھ گھر سے نکلتے ہیں اور مقررہ وقت پر واپس آ جاتے ہیں۔" رافعہ نے نخوت سے کہا۔

رافعہ نے مزید دو چار باتیں سنائیں۔ جس پر ریحانہ نے آئیں بائیں شائیں کی۔ سب محلے والے اس کے بارے میں ایسے ہی خیالات رکھتے تھے لہٰذا اسے پروا نہیں تھی کسی کی۔

چند سالوں بعد ہی رافعہ کا زعم ملیامیٹ ہو گیا جب اس کے اپنے بچے کچھ بڑے ہوئے اور گھنٹوں کنچے کھیلنا' ویڈیو گیم کی دکان پر جانا اور پتنگ اڑانا ان کا بھی مشغلہ بن گیا۔

***

"ارے ناہید تمھاری بیٹی کا کیا نتیجہ کا آیا دسویں کا؟" نازش نے ایک تقریب میں اپنی خالہ زاد سے پوچھا۔ حالاں کہ ناہید کی بیٹی کے نتیجے کے بارے میں اسے پہلے ہی علم تھا۔ "نازش باجی! اس کا ایک پرچہ رہ گیا ہے۔ ان دنوں میں بیمار ہو گئی تھی کافی' گھر کا سارا کام عائشہ پر آ گیا تھا۔" ناہید شرمندگی سے بولی۔

"اے ہے ے ے۔۔۔ فیشن تو ایک سے ایک کرتی ہے یہ لڑکی اور پڑھائی میں صفر ہے۔ عائشہ دیکھو بھئی میری زہرہ نے بھی تمھارے ساتھ ہی پرچے دیے اور اے گریڈ بنا ماشاءاللہ سے میری بیٹی کا۔ امتحانوں کے دنوں میں تو سر کھجانے کی فرصت نہیں ملی اس کو۔ ہر وقت پڑھتی رہتی تھی۔" نازش نے آبرو اچکاتے ہوتے کہا۔ "ناہید رشتہ وشتہ طے کر دو اپنی لڑکی کا' یہ پڑھنے والی نہیں" نازش نے کہا اور شرکاء محفل نے قہقہے لگائے اور جھینپتی ہوئی عائشہ منظر سے ہٹ گئی۔

***

حمدان نے کتنی دعائیں کی تھیں کہ آج نماز سے واپسی پر ابو کو ان کا کوئی جاننے والا نہ ٹکرائے مگر وہی ہوا جس کا ڈر تھا' جمعہ پڑھ کر مسجد سے نکلے ہی تھے کہ حمدان کے والد امجد صاحب کو ان کے چند دیرینہ دوست مل گئے' حال احوال جاننے کے بعد آصف صاحب نے حمدان سے اس کی خیر خیریت اور پڑھائی کے بارے میں پوچھا۔ حمدان کچھ بولنے کے لیے پر تول ہی رہا تھا کہ امجد صاحب بولے:

"ارے برخوردار سے کیا پوچھتے ہو میں بتاتا ہوں ان کی مصروفیات!! سارا دن ہاتھ میں موبائل ہوتا ہے۔ اس سے فارغ ہوتے ہیں تو لیپ ٹاپ کو چمٹ جاتے ہیں. دوستوں کے ساتھ آوارہ گردی پسندیدہ مشغلہ ہے ان کا اور پڑھائی کا حال تو پوچھیں ہی نہ۔۔۔ بس باپ کما رہا ہے اور یہ اڑا رہے ہیں"۔ ابو نے اس کا کندھا تھپتھپایا اور احباب نے قہقہے لگائے۔ حمدان کھسیانا ہو کر شرمندگی سے مسکرا دیا اور دل میں پکا تہیہ کر لیا کہ وہ اچھا بننے کی بالکل کوشش نہیں کرے گا۔

***

کئی بار دیکھا گیا ہے کہ ہمارے ہاں اصلاح کے لیے ایسا رویہ اپنایا جاتا ہے جس سے بہتری کی بجائے مزید بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ کسی کو اس کے گناہ یا برائی پہ عار دلانے' دوسروں کے سامنے شرمندہ کرنے اور طنز و تشنیع کے تیر چلانے سے کبھی اصلاح نہیں ہو سکتی بلکہ اگلے بندے پر ہماری باتوں کا اثر ہی ختم ہو جاتا ہے۔ اول تو نیت خالص ہو کہ اللہ کا بندہ/بندی برائی سے بچ جائے پھر طریقِ کار ایسا ہو کہ دل آزاری بھی نہ ہو اور بات بھی اچھے انداز میں سمجھائی جائے کہ اسی بات کا ہمیں حکم ملا ہے۔

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں، طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

آؤ اک عہد کریں...!!!

ام محمد سلمان

یہ ان دنوں کا قصہ ہے جب میں دوسری جماعت میں پڑھا کرتی تھی۔ اردو کی درسی کتاب میں حمد کے بعد سب سے پہلا سبق تھا "میرا پیارا پاکستان" لکھنے والے نے قلم کو پور پور محبت میں بھگو کر لکھا اور استانی جی نے بھی وطن کی محبت میں ڈوب کے خوب محنت اور چاہت سے سبق پڑھایا۔ اب اتنے پرخلوص جذبوں کا اثر تو ہونا ہی تھا اور ہم اسی دن گھر جا کر اماں کے سامنے مچل گئے کہ: "ہمیں اپنے وطن پاکستان جانا ہے۔" اماں نے پہلے تو ہونقوں کی طرح ہماری شکل دیکھی اور پھر بولیں: "یہ پاکستان ہی ہے میری لاڈو! ہم پاکستان میں ہی رہتے ہیں۔"

"نہیں اماں! یہ پاکستان نہیں ہے۔ ہماری کتاب میں لکھا ہے کہ پاکستان ایک بہت خوب صورت اور ہرا بھرا ملک ہے۔ پاکستان ایک باغ ہے اور اس میں رنگ رنگ کے پھول کھلتے ہیں۔ اماں!! بس مجھے پاکستان جانا ہے۔" ہم کسی ضدی بچے کی طرح اٹھلائے۔ اماں پھر چمکار کے بولیں: "ارے میری لاڈو! یہی پاکستان ہے!!"

"لیکن یہاں نہ ہرے بھرے درخت ہیں اور نہ رنگ رنگ کے پھول ہیں، نہ باغ میں کوئل کوکتی ہے، نہ پرندے اڑتے ہیں نہ چشمے بہتے ہیں" ہم نے ایک بار پھر گلی میں نکل کے ارد گرد کا جائزہ لیا اور اماں کو یقین دلانے کی بھرپور کوشش کی کہ یہ وہ پاکستان نہیں ہے، جو ہماری درسی کتاب میں لکھا ہے۔ اماں نے ایک نگاہ غلط انداز ہم پر ڈالی اور پھر سے ہاتھ والی سوئی سے تکیے کا غلاف سینے میں مشغول ہو گئیں اور ہم منہ لٹکائے چوکھٹ پہ جا کر بیٹھ گئے کہ "جانے ہمارا پیارا پاکستان کہاں ہے؟ کس حال میں ہے؟ کبھی ہمیں دیکھنا بھی نصیب ہو گا یا نہیں"

دراصل ہوا یوں تھا کہ کتاب میں پاکستان کی خوب صورتی کا ذکر پڑھ کے ہماری ننھی منی سمجھ دانی کو یہ لگا کہ پاکستان ایک بہت بڑا باغ ہے اور ابا حضور مکان تبدیل کرنے کے چکر میں شاید غلطی سے اس باغ یعنی پاکستان سے باہر نکل آئے ہیں اور ہمیں اس غلطی کو سدھارتے ہوئے اپنے ہرے بھرے وطن میں واپس لوٹ جانا چاہیے۔ مگر وہی بات کہ نقار خانے میں طوطی کی کون سنتا ہے، سو ہماری بات بھی کسی نے توجہ سے نہ سنی۔ اب کیا بتائیں ہم اس غم کو دل میں لیے کتنے دن اداس پھرتے رہے کہ جانے کب اپنے پیارے پاکستان جانا نصیب ہو گا۔ یہ سب مل کر ہمیں بہلا رہے ہیں کہ یہی پاکستان ہے۔ حالاں کہ ایسا کچھ نہیں! ہم نے پھر اپنے ارد گرد کے نظاروں کو دیکھا... کچی پکی لال اینٹوں کے بنے مکانات تھے... لمبی لمبی گلیاں تھیں... اور بس!! جو سبزہ، نہریں اور کھیت کھلیان تھے وہ تو آبادی سے دور تھے، پر ہمارے ننھے منے دماغ میں یہ بات بیٹھ ہی کہاں رہی تھی۔ ہمیں تو بس ایک سچ مچ کا باغ چاہیے تھا، جس میں ہرے بھرے پودے رنگ برنگے پھول اور نت نئے پرندے اڑ رہے ہوں... اور اس باغ کا نام ہو پاکستان!!

کتنے ہی دن خیالوں کی بستی میں بلبل بن کے ہم اس باغ میں اڑتے پھرے۔ کبھی کبھی دل میں بڑی درد بھری سی ٹیس اٹھتی: "ہائے میرا پاکستان.... ! جانے کہاں ہے؟" پھر کئی دن گزر گئے اور بچپن کی وہ عادت جو سارے بچوں میں ضرور ہوتی ہے کہ تھوڑی دیر بعد ہر غم بھول کر کسی نئی سرگرمی میں مگن ہو جاتے ہیں، سو ہم بھی اپنے مٹی کے برتن بنانے میں مشغول ہو گئے۔

***

پھر ایک دن اماں نے ہمیں ایک بڑا خوب صورت سا جوڑا سی کر دیا اور کہنے لگیں: "نہا دھو کے پہن لو، آج 14 اگست ہے" اور ہم خوشی خوشی جوڑا پہن کر ٹی وی کے سامنے جا کر بیٹھ گئے، جہاں بڑے خوب صورت ملی نغمے چل رہے تھے۔ پاک افواج کی پریڈ دکھائی جا رہی تھی۔ چاروں صوبوں کی ثقافت دکھائی جا رہی تھی۔ سبز ہلالی پرچم لہرائے جا رہے تھے۔ ملک سے وفاداری کے عہد کیے جا رہے تھے۔ یہ سب کچھ دیکھ کر دل عجیب سے جذبوں اور تمناؤں سے بھر جاتا تھا۔ پاک فضائیہ کے اڑتے جہازوں کو دیکھ کر دل ہی دل میں ارمان کروٹیں لیتے کہ بڑے ہو جائیں ذرا... پھر دیکھنا کیسے جہاز اڑا کر دشمن کے دانت کھٹے کریں گے ان شاء اللہ۔ انہی جذبوں کی بڑھوتری کے ساتھ ساتھ بچپن رخصت ہو گیا اور ہم پاک فضائیہ کے خواب ہی دیکھتے رہ گئے!! خواب تو کئی تھے جن میں ایک کشمیر کی آزادی کا بھی تھا جو بچپن سے دیکھا اور آج تک شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ کتنے ہی جشنِ آزادی گزر گئے مگر ہم کشمیر کے گلے سے غلامی کا طوق نہ نکال سکے! لیکن آج بھی امید ہے ایک نہ ایک دن کوئی مردِ مجاہد ضرور اٹھے گا اور میرے کشمیر کو آزاد کروائے گا۔

***

بچپن میں جب ہم یومِ آزادی منایا کرتے تھے تو ہمارے دل اپنے وطن کی محبت سے معمور ہوتے تھے۔ اپنے بزرگوں کی قربانیوں کو یاد کر کے اشک بار ہو جایا کرتے تھے۔ اپنے بڑوں سے تقسیمِ ہند اور ہجرت کے واقعات سن کر دل گداز ہو جایا کرتا تھا۔ مقصد کو جِلا ملتی تھی۔ رب العزت کا شکر ادا کرتے تھے کہ ہم کسی غلام ملک میں نہیں بلکہ اپنی آزاد سرزمین میں سانس لیتے ہیں آزادی سے جیتے ہیں۔ یومِ آزادی پر ہماری واحد عیاشی پاکستانی پرچم کا بیج ہوا کرتا تھا، جسے بڑے فخر کے ساتھ اپنے سینے پر آویزاں کر لیا کرتے تھے اور ایسا محسوس ہوتا تھا گویا بارِ آزادی اپنے کندھوں پر اٹھا رکھا ہے اور ایک دن اس وطنِ عزیز کا قرض چکانا ہے، چاہے اس کے لیے خون کی آخری بوند بھی قربان کرنی پڑ جائے۔

*یہ وطن جو لا الہ الا اللہ کے نام پر بنا *یہ وطن جو اسلام کا قلعہ بننے کے لیے وجود میں آیا *یہ وطن جو مسلمانوں کی عظیم پناہ گاہ ہے جہاں شریعت کا نفاذ ہمارا اولین مقصد تھا *یہ وطن جو ہر طرح سے قدرت کے حسین نظاروں اور وسائل سے مالا مال ہے۔ ایک وقت تھا، جب اس قوم کو ایک ملک کی ضرورت تھی اور آج

یہ اہل محبت

امۃ اللہ

کون کہتا ہے کہ یاد رکھنے کے لیے یاد دلانا پڑتا ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں' جو محبتوں کے خوگر ہوتے ہیں' وہ بھی خود غرض ہو سکتے ہیں لیکن اس پر قدرت کے باوجود محبتیں بانٹتے اور دوسروں کی خدمت میں مصروف رہتے ہیں۔ پتا نہیں ان کے پاس محبت' رفاقت' نرمی اور خیر خواہی خود کو داؤ پر لگا کر دوسروں کی حمایت' اپنی عزت وآبرو کو کچل کر دوسروں کا بچاؤ اور سب کے ساتھ پیار کرنے کا جذبہ وہبی ہوتا ہے یا کسبی؟ مگر سچ بات تو یہ ہے کہ یہی ان کی فطرت نظر آتی ہے' جسے وہ خود بھی محبت کا نام دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا واسطہ ہر قسم کے لوگوں کے ساتھ پڑتا ہے اچھے بھی برے بھی۔ مطلبی لوگ ان کو لوٹ کر چل دیتے ہیں۔ دھوکے بازوں سے دھوکے بھی ملتے ہیں۔ کچھ خود غرض ان کی نرمی کا ناجائز فائدہ بھی اٹھا لیتے ہیں۔ اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ کچھ لوگ ان پر شک کرتے ہیں اور ان کی محبتوں کو ٹھکرا بھی دیتے ہیں۔

یہ کہتے ہوئے کہ محبت کا زمانہ نہیں دنیا مطلبی ہے' کبھی ان کی محبتوں پر تہمتیں بھی لگائی جاتی ہیں تو کبھی بدگمانی بھی کی جاتی ہے۔ معلوم نہیں یہ اہل محبت کیسے جیتے ہیں؟ ہاں مگر دیکھا جاتا ہے کہ یہ لوگ اہل ستم کو بھی بدلے میں محبت کے ہدیے پیش کرتے ہیں۔ کس مٹی سے بنے ہوتے ہیں؟ کیسا ظرف ان کے پاس ہوتا ہے؟ جو مٹی کے گارے سے بنا ہوتا ہے مگر ٹوٹتا ہی نہیں! کیا ان کے ذہن میں یہ بات نہیں آتی ہوگی؟ کہ لوگوں کو ان کے حال پر ہی چھوڑ دیا جائے جو چاہیں کریں۔ لیکن یہ لوگ سے کسی صلے کی امید کے بغیر ہی بے غرض محبت کرتے ہیں۔ انہیں اپنی دعاؤں میں ہمیشہ شامل رکھتے ہیں۔ ان اہل محبت کے حال سے تو خدا ہی خیر واقف ہے' جو کچھ بھی ان کے ساتھ اپنوں اور پراؤں نے کیا۔ جس نے جو بھی کیا لیکن یہ بدلے کی سوچ تک نہیں رکھتے۔ اور انتقام کا تو دل میں شائبہ تک نہیں لاتے۔ یہ خلق خدا کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھتے ہیں۔ البتہ ان لوگوں پر ضرور حیرت ہے کہ جو اہل محبت کے پُر خلوص رنگ کو پہچان نہیں پاتے؟ شاید اس لیے کہ فتنوں کے اس دور نے محبتوں کی پہچان خلط ملط کر دی یا پھر ہماری نگاہوں کو ہی ان کی پہچان نہ رہی! لگتا تو یہی ہے کہ ہمارے پاس وہ بصیرت نہیں' ورنہ زندگی میں اچھے برے کو دیکھ دیکھ کر صحیح اور غلط کی پہچان ہو جانی چاہیے۔ لیکن شاید ایسا نہ ہونے کی وجہ یہ بھی ہے کہ بعض بہروپیوں نے محبت اور خلوص و وفا کو داغ دار کر دیا۔ اس لیے دودھ جلے چھاچھ بھی پھونک پھونک کر پیتے ہیں۔ دوسری طرف کچھ لوگ یہ شکوہ بھی کرتے ہیں کہ زمانہ بے رحم اور لوگوں کے خون سفید ہو گئے! اور کچھ کہتے ہیں کہ فتنوں کے اس دور میں کہاں اخلاق رہے۔۔

مثبت اور منفی پہلو تو ہر معاملے کی طرح اس معاملے میں بھی ہیں تو کیا طعنوں اور برے سلوک کے خوف سے اچھے اخلاق چھوڑ دینے چاہئیں؟ جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رحمت اللعالمین کی تمام زندگی ظلم وستم کے پہاڑ اور یہود کے ان گنت فتنوں کا سامنا محبت سے کرتی نظر آئے گی۔

آؤ اک عہد کریں....!!!

بقیہ

وقت ہے' جب اس ملک کو ایک قوم کی ضرورت ہے! ہم نے اپنے آپس کے جھگڑوں اور اختلافات میں پڑ کے اس ملک وملت کو بہت نقصان پہنچایا ہے ہماری ترقی کا راز تو اتحاد واتفاق میں مضمر تھا مگر ہم سب اپنی اپنی ڈفلی اپنا اپنا راگ لے کر بیٹھ گئے۔ ہم نے اس ملک کو صرف اپنے مفاد کے لیے استعمال کیا' کبھی اس کے مفاد کا نہیں سوچا' کبھی اس کے مقصد پر غور نہیں کیا۔

اس زمیں کی مٹی میں، خون ہے شہیدوں کا
ارضِ پاک مرکز ہے، قوم کی امیدوں کا
دیکھنا گنوانا مت، دولت یقیں لوگو!
یہ وطن امانت ہے اور تم امیں لوگو!!

اب ضرورت ہے کہ ہر فرد اس ملک کی ترقی و کامیابی میں اپنا حصہ ڈالے' چاہے وہ صرف اور صرف اپنے گلی کوچوں کی صفائی کی حد تک ہی محدود ہو' چاہے وہ اپنے اخلاق کی درستی ہو' اپنے گھر والوں اور ماتحتوں سے نرمی اور شفقت کا سلوک ہو' چاہے وہ اپنی چھوٹی سی کریانے کی دکان کو ایمان داری سے چلانے تک ہی محدود ہو۔ چاہے وہ مدرسہ واسکول میں اساتذہ کا اپنے طلبہ کو شفقت اور دیانت داری سے پڑھانے تک محدود ہو۔ چاہے وہ ڈاکٹر حضرات کا اپنے مریضوں کو گاہک نہیں بلکہ مریض سمجھ کر صحیح اور بر وقت علاج کرنے تک محدود ہو۔ چاہے وہ ایک ماں کا اپنے بچوں کی اچھی تربیت کرنے تک محدود ہو... اور ماں باپ کا بچے کو اچھی تربیت دینا یقیناً ایک فرد نہیں بلکہ ایک پورے معاشرے کی تربیت ہے۔

آج بازاروں میں رنگ برنگے بیج' ٹوپیاں' شرٹ' چوڑیاں اور نہ جانے کیا کیا الم غلم جشن آزادی کے نام پر بیچا جا رہا ہے مگر بھرے اسٹالوں کے ساتھ ہی کچرے کے ڈھیر پڑے ہیں اور کسی کو پروا نہیں... یومِ آزادی کی روح ختم ہو گئی' بس ایک رسم رہ گئی' جسے ہم ہرے سفید کپڑے پہن کے نت نئے رنگوں کی جھنڈیاں لگا کے پورا کر لیتے ہیں۔ ہماری موجودہ نسل جانتی ہی نہیں' اس آزادی کے پیچھے کتنی قربانیاں دی گئی ہیں۔ ہماری یہ نسل وطن سے محبت تو کرتی ہے مگر محبت کے تقاضوں سے ناآشنا ہے۔

کیا ہی اچھا ہو اس بار 14 اگست ہم اس طرح منائیں کہ اپنے گلی کوچوں محلوں کو صاف ستھرا کریں اور اپنے آپ سے ایک عہد کریں کہ آج کے دن وطنِ عزیز کو اس کی منزل تک پہنچانے کے لیے اپنے اندر سے کم از کم ایک بُری عادت کا خاتمہ کریں گے اور پورے سال اس پر قائم رہ کر اگلے سال پھر ایک بری عادت کو چھوڑنے کا عزم مصمم کریں گے' چاہے وہ بری عادت سگریٹ پینے کی ہو' گٹکا اور ماوی جیسی مضر صحت چیزیں کھانے کی ہو' گالم گلوچ کرنے کی ہو' لوگوں پر منفی تبصرے کرنے کی ہو' بددیانتی کی ہو' بدتہذیبی کی ہو یا بے دینی کی ہو فحاشی اور بے حیائی کی ہو.....

عہد کیجیے اپنے وطن عزیز کی سلامتی اور بقا اور اپنے رب کی دی اس عظیم نعمت کی شکر گزاری کے طور پر کوئی ایک وعدہ آج اپنے آپ سے ضرور کریں گے!! اور اپنے جسم و جاں سے اس عہد کو نبھانے کی بھرپور کوشش کریں گے... ان شاء اللہ العزیز!!

پاکستان پائندہ باد!

جُنید امِین

Your Trusted Friend in Real Estate

Sale - Purchase - Rent

22-C, Khyaban e Jami near Baitussalam Masjid Phase IV, D. H. A. Karachi
02135313254 , 02135313319 , 03009213373 Email: junaidameen@live.com

یہ کیسی محبت ہے؟

بنت ایوب مریم

ٹوں ٹوں ٹووووووووں

موبائل فون کے بجنے پر عبداللہ ہڑبڑا کر اٹھا اور آنکھیں ملتے ہوئے سامنے لگی دیوار پہ گھڑی کی طرف دیکھا' جہاں بس 10 بجا ہی چاہتے تھے۔ سائیڈ ٹیبل سے فون اٹھایا۔ انس کی کئی کالیں آچکی تھیں۔ وٹس ایپ کھولا۔ کئی دوستوں کے میسج اس کے منتظر تھے۔ انس نے وائس میسج میں جشنِ آزادی کے جلوس کے لیے شہر کے چوک میں پہنچنے کا کہا تھا۔ عبداللہ نے تمام پیغامات پڑھے' جواب دیے اور پھر لفظ اسٹیٹس کو چھوا۔ احباب کے تازہ بتازہ اسٹیٹس سکرین پر نظر آنے لگے۔ علینہ اور طیبہ کے اسٹیٹس دیکھ کر وہ چونک گیا۔ یہ دونوں بہت کم اسٹیٹس لگاتی تھیں۔ عبداللہ نے تجسّس اور خوش گوار حیرت سے دونوں کے اسٹیٹس دیکھے' وطن کی محبت میں نغمے' قائدِ اعظم کا احسان اور شکرِ خدا کے موضوعات کے اسٹیٹس دونوں کے محبِّ وطن ہونے کا پتا دے رہے تھے۔

عبداللہ کمرے سے باہر نکلا۔ لاؤنج کا منظر پاکستان کی آزادی کا جشن منا رہا تھا۔ صوفے کے پیچھے کی دیوار پہ سبز و سفید غبارے لگائے گئے تھے۔ لاؤنج کو جھنڈیوں سے سجایا گیا تھا۔ علینہ اور طیبہ سفید لباس میں ملبوس سبز دوپٹّے گلے میں ڈالے صوفے پر بیٹھی تھیں۔ انہیں منہ صاف کرتا دیکھ کر عبداللہ سمجھ گیا کہ یہ کچھ کھا رہی تھیں۔ میز پر پڑے خالی ریپر دیکھ کر وہ زیرِ لب مسکرا دیا۔ ان کے سامنے رکھے لیپ ٹاپ کی اسکرین پر کچھ عورتیں عبادت کے نام پر تھال گھما رہی تھیں۔ عبداللہ کو لاؤنج میں پا کر دونوں بہنیں مڑیں: ''ہیپی ان ڈی پینڈنس ڈے بھائی!'' عبداللہ نے منہ بنایا اور چل دیا۔ بہنوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر سے لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

''لو جی! عبداللہ صاحب آج بھی وہی قمیص شلوار پہنے آگئے ہیں۔ دوسروں میں سے ایک کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ دوسرا دوست آگے بڑھا: ''او یار یہ پانچ سو روپے کی شرٹ لی ہے میں نے' دیکھ ذرا! قائدِ اعظم کی تصویر اور جھنڈا بھی بنا ہوا ہے۔ لگ رہا ہوں نا محبِ وطن؟'' عمر نے سوالیہ نگاہوں سے عبداللہ کی طرف دیکھا۔

''انسان کو محبِ وطن نظر آنے کی بجائے حقیقت میں محبِ وطن ہونا چاہیے۔''

لڑکے اپنی موٹر سائیکلوں کے سیلنسر نکال رہے تھے۔ کئی ایک کے ہاتھ میں لمبی تھوتھنی والے باجے تھے۔ ''ارے یہ شور و غل کیے بغیر آزادی نہیں منائی جاتی کیا!!'' عبداللہ بڑبڑا رہا تھا۔ بارہ بجے جلوس کا آغاز ہوا۔ لڑکے موٹر سائیکلوں سے آوازیں نکالتے' باجے بجاتے نعرے لگاتے' راہ چلتوں پر ہوٹنگ کرتے' جھنڈے لہراتے جا رہے تھے۔ ایک بج گیا۔ آج جمعہ تھا لیکن جلوس کے شرکاء اپنی دھن میں مگن تھے۔ عبداللہ اور انس نے کچھ ساتھیوں سے نماز جمعہ کی بابت پوچھا تو انہوں نے یہ کہہ کر نظر انداز کیا: ''یار جمعہ تو ہر ہفتے ہی پڑھتے ہیں اور یہ دن سال میں بس ایک دفعہ آتا ہے۔''

عبداللہ اور انس نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور لا حول ولا قوۃ پڑھتے ہوئے اپنے گھروں کی طرف چل دیے۔ گھر پہنچ کر کپڑے تبدیل کیے اور مسجد پہنچے۔ جامع مسجد میں آنے والے نمازیوں کی تعداد اس دن کم تھی۔ اکثریت بڑی عمر کے حضرات کی تھی۔ نوجوانوں کی اکثریت سڑک پہ جشنِ آزادی منا رہی تھی۔ جمعے کی نماز کے بعد وطن کی سلامتی کے لیے اللہ سے خصوصی گڑگڑا کر دعا مانگی گئی۔ الگ مملکت کے حصول پر سجدۂ شکر بجالایا گیا۔

اگلے دن طیبہ کو کالج چھوڑتے ہوئے عبداللہ اور طیبہ دونوں نے سڑک پر جھاڑو دیتے بابا جی کو دیکھا جو پلاسٹک کی شیٹس پر بنائے گئے پرچم کو عقیدت سے سڑک سے اٹھا رہے تھے' یہ پرچم ایک دن قبل جلوس اور ریلیوں میں استعمال ہونے کے بعد زمین پر پھینک دیے گئے تھے۔

طیبہ کی کالج میں پارٹی کے باعث عبداللہ موٹر سائیکل روک کر دوکان میں گیا اور ایک مقامی کمپنی کا تیار کردہ شربت انار لے آیا۔ ''ارے بھائی! طیبہ نے منہ بنایا۔ یہ کون پیے گا۔ کوکا کولا لاتے نا! سب میرا مذاق اڑائیں گے''

''ان کو چھوڑو۔ اپنی بات کرو۔ کل سراپا پرچم بن کر گھوم رہی تھی اور آج پاکستان کی مصنوعات کھٹک رہی ہیں۔''

''ظاہر ہے جب وطن سے محبت ہے تو میں نے اس کا اظہار کل میں نے اپنے لباس سے کر رکھا تھا'' طیبہ نے خود پر مان کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ کیسی محبت ہے؟ پاکستان سے محبت اور اس کی مصنوعات سے انکار''

کل بھی لاؤنج کو پاکستان کی محبت میں سجا کر آپ دونوں انڈین ڈراموں میں مشغول تھیں اور اور اسلام دشمن کمپنیوں کی تیار کردہ چیزیں کھا رہی تھیں۔ یہ سب وہ کمپنیاں ہیں جو اپنی آمدن کا ایک بڑا حصہ اسلام دشمنی اور مسلمانوں پر مظالم کے لیے وقف کرتی ہیں۔ پاکستان کو اسلام کا قلعہ سمجھا جاتا ہے۔ اسی لیے الگ وطن کے طور پر بنایا گیا' اگر ہم اسلام دشمنوں کو فروغ دیں قومی زبان اور لباس پہنتے ہوئے شرم محسوس ہو اور انگریزی کے ٹوٹے پھوٹے فقروں پر بھی فخر کیا جائے؟ خریداری کے دوران لفظ امپورٹڈ سن کر جھوم جائیں' یہ بھی بھلا محبت ہوئی؟ یہ کیسی محبت ہے اور وہ سڑک پر دیکھا تھا نا!! بابا جی زمین پہ بکھرے ہوئے پرچم اکٹھے کر رہے تھے۔ کل جنہیں بڑے مان سے لہرایا جا رہا تھا' آج وہ زمین بوس ہیں۔ لہراتے اونچے پرچموں پر رنگ برنگ لائٹوں اور باجوں سے ہی تو ہم اپنے محبِ وطن ہونے کا ثبوت دیتے ہیں۔ یہ جو وطن سے محبت ہے نا' سبز و سفید لباس' غباروں' جھنڈیوں اور نعروں سے نہیں ظاہر کی جاتی۔ محبت دل میں ہوتی ہے اور محبِ وطن وہی ہے جو ہر آن ہر گھڑی پاکستان اور اسلام کا مفاد سوچے۔'' طیبہ کی جھکتی ہوئی نگاہیں بتا رہی تھیں کہ بھائی کی ہر بات دل میں اترنے پر وہ بھی محبِّ وطن بننے کا عہد کرتی ہے۔

بلاعنوان

محمد فیصل علی

اس کہانی کا بہترین عنوان رکھنے پر تین سو روپے انعام دیا جائے گا۔
عنوان بھیجنے کی آخری تاریخ 15 ستمبر ہے، صفحہ 41 بھی دیکھیں

"دوست ! کیا آپ میری کہانی سنیں گے ؟"

"کیوں نہیں ! ! یہی تو میرا کام ہے 'کہانی سننا اور اسے آگے سنانا۔"

"واہ پھر تو مزا آگیا۔"

"آپ کہانی شروع کریں 'پھر دیکھتے ہیں کہ مزا آتا ہے کہ نہیں۔"

"ہاہاہاہا' یہ بھی خوب کہا 'کہانی کچھ یوں ہے کہ میں محکمہ اراضی میں کام کرتا ہوں۔ میں اس محکمہ کے سب سے بڑے "صاحب" کا سیکرٹری ہوں۔ صاحب کو لوگ اے۔ سی اور تحصیل دار بھی کہتے ہیں لیکن صاحب والا نام زیادہ چلتا ہے۔ لوگ زمینوں کی خرید و فروخت کرتے ہیں تو یہ سب معاملات صاحب کے ایک دستخط کے محتاج ہوتے ہیں۔ لوگ سارا سارا دن صاحب اس دستخط کی خاطر مارے مارے پھرتے ہیں۔ صاحب بھی اپنے سائن کی خوب قدر و قیمت وصول کرتا ہے۔ امید ہے تم سمجھ گئے ہو گے دوست ؟"

"بالکل سمجھ گیا۔"

"ایک دن صاحب نے مجھے بلایا اور کہا : "ساجد ! تمھیں یاد تو ہو گا لیکن پھر بھی میں دوبارہ یاد دہانی کرا رہا ہوں۔ یوم آزادی قریب ہے اور تم جانتے ہو کہ میں یہ دن نہایت جوش و خروش سے مناتا ہوں۔ لہٰذا اس کے لیے ہمیشہ کی طرح انتظامات تم کرو گے۔ اچھے اچھے پینا فیلکس بنواؤ 'ایک اچھا سا ہال بک کروا لو اور ہاں دعوت ناموں کی لسٹ تمھیں وٹس ایپ کر رہا ہوں 'دعوت نامے بھی بھیج دو۔"

"یس سر 'میں یہ کر لوں گا۔" میں نے کمال فرماں برداری سے کہا اور جانے کے لیے اجازت طلب نگاہوں سے ان کو دیکھا۔ وہ کہنے لگے : "اچھا سنو ! ابھی ایک آدمی آئے گا 'وہ نعیم صاحب کا ریفرنس دے گا 'اس کے پاس پچاس فائلیں ہوں گی 'تم اس سے مکمل وصولی کر کے میرے پاس بھیج دینا 'اور ہاں رعایت بالکل نہیں کرنی 'یعنی ایک فائل کے ہزار روپے 'نہ کم نہ زیادہ 'انہی پیسوں سے ہم نے یوم آزادی کی تقریب کے اخراجات پورے کرنے ہیں۔" صاحب نے ہدایات دیں اور میں سوچوں میں گم واپس اپنی کرسی پہ آبیٹھا اور پھر میرے خیالات نے مجھے بہت دور لا پھینکا۔ میں صدیوں پہلے کے ایک خوب صورت منظر میں کھو چکا تھا۔ حضرت حذیفہؓ بیٹھے تھے 'ان کے سامنے ایک صحابی موجود تھے 'حذیفہؓ فرما رہے تھے : "رسول اللہ ﷺ نے ہمیں دو باتیں بتائی تھیں 'ان میں سے ایک تو دیکھ چکا ہوں 'جب کہ دوسری کا انتظار ہے 'آپ ﷺ نے فرمایا تھا : "ایمان کی امانت لوگوں کے دلوں کی جڑوں میں اتری 'پھر قرآن اترا اور لوگوں نے قرآن اور سنت سے بہت کچھ سیکھ لیا" 'دوسری بات ایمان کے اٹھ جانے کے متعلق تھی جو آپ ﷺ نے ارشاد فرمائی 'آپ ﷺ نے بتایا : "ایک وقت آئے گا کہ لوگوں کے دل ایمان سے خالی ہو جائیں گے 'آدمی سو کر اٹھے گا تو اس کے دل سے ایمان کی امانت رخصت ہو چکی ہو گی 'اور اس کا معمولی سا نشان رہ جائے گا۔"

"بات سنیے !" اچانک کہے جانے والے اس فقرے نے میرے خیالات کو واپس صاحب کے آفس میں لا پھینکا۔ "جاگتی آنکھوں سے خواب 'واہ بھئی واہ پہلے سنا تھا آج دیکھ بھی لیا۔" نو وارد نے خوش طبعی کرتے ہوئے کہا اور میں مسکرا کر رہ گیا 'اس نے بغل میں فائلیں دابی ہوئی تھیں اور یہ یقیناً نعیم صاحب کا آدمی تھا۔

"نعیم صاحب ؟" میں نے سوالیہ لہجے میں پوچھا۔ "جی ہاں ۔۔ یہ لیں" اس نے ایک لفافہ میری طرف بڑھایا اور میں نے اسے میز کے نیچے کرتے ہوئے گننا شروع کر دیا 'تھوڑی دیر بعد میں اسے صاحب کے آفس میں لیے جا رہا تھا۔ ادھر میری جیب میں پڑے نوٹوں پہ بنی قائد کی تصویر اس بد دیانتی پہ زار زار رو رہی تھی۔

***

"حاضرین محفل ! الحمدللہ آج ہم ایک بار پھر یوم آزادی منا رہے ہیں 'اس موقع پر میں عزت مآب تحصیل دار صاحب کا نہایت شکر گزار ہوں کہ وہ ہر سال وطن سے محبت کا ثبوت دیتے ہوئے اتنی پر وقار تقریب کا اہتمام کرتے ہیں 'یقیناً یہ ملک انہی جیسے مخلص اور محب وطن لوگوں کی وجہ سے قائم و دائم ہے۔" اس بات پہ تڑاتڑ تالیاں بجیں 'ادھر میرا تخیل پھر تڑپ اٹھا تھا۔ اچانک ہال میں جھماکا سا ہوا 'سبھی لوگ حیران سے دکھائی دیے 'اسٹیج کے پیچھے سجے جہازی سائز بینر پہ لگی قائد 'اقبال اور لیاقت علی خان کی تصاویر بول رہی تھیں اور پھر وہ تینوں تصاویر سے نکل کر اسٹیج پہ آ پہنچے۔ انہیں آتا دیکھ کر سبھی لوگ ایک کونے میں سمٹ گئے 'ان سب کے سر یوں جھکے ہوئے تھے جیسے ٹیچر نے شور مچاتے بچوں کو پکڑ لیا ہو اور اب انھیں سزا کا خوف ہو۔ قائد ڈائس پہ پہنچے 'ہال پہ ایک طائرانہ نظر ڈالی اور کہا : "تم سب میرے بچے ہو عزیزو ! سنو ! صرف آزادی کا دن منانے سے آزادی کی تکمیل نہیں ہو سکتی 'صرف جسم اور زمینی ٹکڑا حاصل کر لینا آزادی نہیں 'آزادی تو یہ ہے کہ آپ اپنی روح پہ اپنی تہذیب 'اپنا تمدن 'اپنا مذہب نافذ کریں نہ کہ اسے شیطان کے حوالے کر دیں۔ اس سر زمین پہ پاکستان کی بنیاد رکھنے سے پہلے ہم نے اپنے دلوں میں پاکستان کی بنیاد رکھی تھی لیکن مجھے آپ میں سے کسی کے دل میں پاکستان نظر نہیں آ رہا 'بالکل نہیں 'پتا نہیں آپ کے دلوں میں پاکستان کب بنے گا" یہ کہتے ہوئے قائد رو پڑے 'ادھر اقبال یہ شعر پڑھنے لگے تھے :

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن، اپنا تو بن

اس کے بعد ان قائدین نے اپنے چہرے آستینوں میں چھپا لیے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر سبھی زار و قطار رونے لگے تھے۔ ایسے میں میرے ساتھ بیٹھے آدمی کی کہنی مجھے لگی اور میں چونک سا گیا 'اسٹیج پہ جھماکا سا ہوا اور قائد اقبال اور لیاقت علی خان سب کچھ غائب ہو گیا تھا 'میں نے ارد گرد دیکھا تو میرے علاوہ سبھی لوگ زور و شور سے تالیاں بجانے میں مگن تھے جب کہ میرے رخسار آنسوؤں سے تر تھے۔ بس یہ ہے میری کہانی !"

"ٹھیک ہے کہانی لکھ لی ہے۔" قلم نے میرے تخیل کو جواب دیا اور یوں قلم اور تخیل کی یہ ملاقات ختم ہوئی۔ میں نے ایک نظر کاغذ پہ لکھے الفاظ پہ ڈالی 'وہ سب بری طرح چیخ و پکار کر رہے تھے جب کہ میں ساکت و صامت بیٹھا تھا 'میری آنکھیں جل رہی تھیں اور آنسو جیسے حلق میں پھنس کر رہ گئے تھے۔

محب وطن کون؟

سارہ عمر، ریاض، سعودی عرب

"یہ ملک بہت ہی محنتوں اور قربانیوں سے حاصل ہوا ہے' اسے ہمارے بزرگوں نے اپنے خون سے سینچا ہے۔ اب وقت ہے کہ ہم اس کا قرض اتاریں۔ آج ہم عہد کرتے ہیں' صرف اپنے ملک کی بنی چیزیں استعمال کریں گے۔ اپنے ملک کی معیشت کو مضبوط بنائیں گے۔ آپ سب عہد کریں۔ بی پاکستانی بائے پاکستانی۔" تیمور نے جذباتی تقریر کے بعد نعرہ لگایا تو کالج کے لڑکوں نے "پاکستان زندہ باد" کے نعرے لگا لگا کر اس کا ساتھ دیا تھا۔ سارا ہال تالیوں سے گونج اٹھا تھا۔ وہ اسٹیج سے نیچے اترا تو اس کے گال فرطِ جذبات سے سرخ ہو رہے تھے۔ کتنی ہی دیر تالیوں کی گونج اس کے کانوں میں سنائی دیتی رہی۔ وہ اپنی نشست پہ واپس آیا تو دوستوں نے گلے لگا کر اسے شاباش دی تھی اور اس کا خوب حوصلہ بڑھایا تھا۔

"لو بھئی تمہاری اس شان دار تقریر کی خوشی میں تحفہ' وہ بھی تمہارے ہی پیسوں سے" عدیل نے دانت نکوستے ایک ڈبا اس کی جانب بڑھایا۔ "تم نے کوئی اچھی گھڑی خریدنے کے لیے پیسے دیے تھے نا کہ میڈان پاکستان نہیں چاہیے۔ میں نے اپنے پڑوسی کے پاس یہ دیکھی' اصلی رولیکس گھڑی ہے اس کے بھائی لندن سے لائے ہیں"

"یہ تو زبردست ہو گیا۔ سچ میں یار! اس ملک میں تو کوئی ڈھنگ کی چیز بھی نہیں ملتی۔ سب گھٹیا دو نمبر مال ہے" تیمور گھڑی دیکھتے ہوئے خوشی سے بولا۔

اسٹیج پہ اب اگلا امیدوار آ گیا تھا مگر تیمور کو یقین تھا' جتنی جذباتی تقریر اس نے کی تھی کوئی اور میدان مار ہی نہیں سکتا تھا۔ "اس بار بھی محب وطن پاکستانی کا انعام میرا ہی ہو گا۔" اس سوچ نے اس کے چہرے پہ مسکراہٹ بکھیر دی تھی۔

***

"یہ سوٹ کتنے کا ہے بھائی!" نسرین نے رک کر شرجیل سے پوچھا تھا جو گاہکوں کے ساتھ بری طرح مصروف تھا۔ 14 اگست کی وجہ سے رش ہی بہت زیادہ تھا۔ ایک گاہک جاتا دوسرا آ جاتا۔

"2 ہزار کا" وہ سرسری سا جواب دے کر پھر مصروف ہو گیا۔ ڈسپلے پہ لگا سبز رنگ کا چاند ستارے والا سوٹ تھا ہی اتنا خوب صورت کہ ہر گزرتی لڑکی کی توجہ اس کی جانب مبذول ہو جاتی۔ نسرین بھی گزرتے گزرتے ادھر ٹھہر کر رہ گئی تھی۔

"بھائی پندرہ سو میں دے دیں۔" نسرین ابھی تک سوٹ ہی دیکھ رہی تھی' شرجیل اب گاہک نبٹا کر اب فارغ ہو چکا تھا اور شاید نسرین بھی اس انتظار میں تھی کہ رش ختم ہو تو وہ اپنی بات کرے۔ "نہیں نہیں باجی! اتنی تو خرید بھی نہیں ہے۔ آپ کپڑا دیکھیں پھر دکان کا کرایہ بجلی کا بل وغیرہ بھی دینا ہوتا ہے۔" شرجیل کے انکار پہ وہ کچھ دیر سوچتی رہی۔

"سوٹ تو بہت اچھا ہے' خوب سجے اور جچے گا مجھ پہ۔ 14 اگست کا مزہ آ جائے گا۔ پھوپھو کی بیٹیاں جویریہ اور ایمن بھی اتنا پیارا سوٹ دیکھ کر سڑ جائیں گی' پچھلی بار کتنا مذاق اڑایا تھا' انہوں نے میرا۔ ایسا کرتی ہوں' امی نے جو فیس کے پیسے دیے ہیں۔ اس سے سوٹ لے لیتی ہوں۔ اگلے مہینے کہہ دوں گی' پیسے چوری ہو گئے تھے' دو ماہ کی جمع کروا دیں۔ یہ ٹھیک رہے گا۔" یہ سوچ کر وہ مطمئن ہو گئی لیکن شرجیل سے اصرار کرنے لگی' تاکہ اگر پیسے بچ سکیں تو بچا لے۔

شرجیل نے کبھی سوچوں میں گم اور کبھی اصرار کرتی اس نوجوان لڑکی کو دیکھا جو شاید یہ سوٹ چھوڑنا نہیں چاہ رہی تھی' وہ جان گیا تھا کہ وہ اسی کشمکش کا شکار ہے کہ اسے خریدے نہ خریدے تبھی اس نے اس کی مشکل آسان کر دی۔ "چلیں باجی! نہ آپ کی نہ میری' آپ ایسا کریں' اٹھارہ سو دے دیں۔" شرجیل کی بات پہ اس کی باچھیں کھل گئی تھیں۔ جب وہ دکان سے نکلی تو مطمئن تھی' اسے نہ صرف اس کی پسند کا سوٹ مل گیا تھا بلکہ اسے دو خوب صورت قمیصیں اور بھی نہایت کم قیمت پر مل گئیں تھیں۔ شرجیل نے سوٹ کے ساتھ ساتھ دو قمیصیں اور بھی قیمت کم بتا کر بیچ دی تھیں۔

"واہ استاد! آپ تو بہت ماہر ہیں' کیسے بارہ سو روپے کا سوٹ دو ہزار کا بتا کر باجی کو چونا لگا دیا اور تو اور آف سیزن مال کی بھی دو قمیصیں بیچ دیں۔ زندہ باد۔ آفرین ہے آپ پہ بھائی!" دکان پہ کام کرنے والے لڑکے عابد نے نسرین کے جانے کے بعد شرجیل کو مکھن لگایا تھا۔

"ارے بھئی مال بیچنے ہی بیٹھے ہیں نا یہاں! گاہک ایسے ہی تھوڑی آتا ہے' باتیں بنانا پڑتی ہیں باتیں اور یہ میٹھی عید اور بقرہ عید کے بعد اب تو 14 اگست بھی عید لگنے لگی ہے' جتنے یہ لڑکیاں کپڑے بناتی ہیں۔ دیکھ لینا یہ سب اگلے سال یہ نہیں پہنیں گی" شرجیل بھی آج کی کمائی پہ بہت خوش تھا۔ "ارے بھائی بجلی اور پیٹرول کا ریٹ پھر بڑھ گیا" عابد نے اخبار سے خبر پڑھ کر سنائی تھی بلکہ خبر کیا سنائی پٹرول بم پھوڑا تھا۔

"چور ہیں یہ سارے چور ہیں' میں بتا رہا ہوں نا! سب کے سب لوٹنے کے لیے بیٹھے ہیں' ہم جیسے غریبوں کو' عوام کا خون نچوڑ کر ہی پیسے اکٹھے کرتے ہیں۔ لٹیرے ہیں سارے ہی' جسے مرضی ووٹ دو۔ کوئی محب وطن پاکستانی نہیں۔" شرجیل نے نخوت سے کہا تو عابد نے سر ہلا کر اس کی تائید کی تھی۔ مگر عابد دل ہی دل میں یہ بھی سوچ رہا تھا: "نہ جانے اصلی محب وطن پاکستانی کون ہے؟"

وَاُفَوِّضُ اَمۡرِیۡ اِلَی اللّٰہِ

قرأت گلستان

شہزاد میاں کی پوری زندگی برباد ہوگئی تھی اور امّاں اور ابّا کے درمیان یہی جنگ جاری تھی کہ نویدہ کس کے فیصلے پر آئی تھی۔

امّاں چلّا چلّا کر کہتیں: ”کھالیا ترس' دیکھ لیا نتیجہ 'ارے! میں تو پہلے ہی کہتی تھی کہ زندگی بھر کے فیصلے ترس کھا کر نہیں کیے جاتے۔ میرے بھائی جیسا کزن اور دوست تھا' نویدہ اس کی بڑی لاڈلی تھی۔ بے چارہ اس کی خوشی نہیں دیکھ سکا۔“ آخر میں امّاں ابّا کی نقل اتارتیں اور پہلو بدل کر رہ جاتیں۔

پھر باری ابّا کے چِلّانے کی ہوتی۔ ”ارے! بڑی نیک بخت تھی' تمہاری بہن کی بیٹی سگھڑ' دیندار اور حسن کی پری' بس ہمارے شہزاد کی قسمت ہی خراب تھی' جو اس معصوم کا کسی سے افیئر چل گیا اور اس نے منگنی توڑ دی۔“ ابّا طنز کے تیر چلاتے۔

اور شہزاد میاں سر پکڑ کر رہ جاتے۔ پہلی بار امّاں کو لڑکی منتخب کرنے کا موقع دیا' ابّا کی ناراضی مول لی۔ دو سال منگنی رہی پھر ٹوٹ گئی' پھر ابّا کو اختیار دیا منگنی کے ساتھ ہی شادی کی تاریخ بھی رکھ دی۔ دو ہفتے بھی شادی کی خوشی نہیں منائی کہ نویدہ کے رنگ روپ کھل کر سامنے آگئے۔

اس کو شہزاد کی شخصیت' سوچ' طرزِ زندگی' تنخواہ یہاں تک کہ روز مرّہ کے استعمال کے کپڑوں پر بھی اعتراض تھا۔ وہ چاہتی تھی شہزاد سر سے لے کر پاؤں تک بدل جائے۔ نویدہ کے ذہن کے تراشے گئے خاکے کے مطابق بن جائے۔

شہزاد اسے سمجھاتا کہ وہ کسی گھسے پٹے ناول کا ہیرو نہیں کہ سوٹ بوٹ پہن کر ٹائی لگا کر دکان پر جائے' نہ ہی اس کے پاس کوئی بڑی گاڑی ہے جس میں بٹھا کر اسے شہر کے مہنگے ترین ریسٹورنٹ میں لے جائے' لیکن وہ نادان سمجھ ہی نہ سکی' بلکہ چھ سال تک شہزاد کو سمجھانے یا یوں کہیے کہ ناول کا ہیرو بنانے کی انتھک کوششیں کر کے جب ہار گئی تو خلع لے کر اس کی زندگی سے نکل گئی۔

شہزاد کی زندگی اس فیصلے سے بری طرح متاثر ہوئی تھی' پھر ابّا اور امّاں کی جنگ تھی جو صبح' دوپہر اور رات کے دستر خوان پر نئے سرے سے شروع ہو جایا کرتی تھی۔

”آپ دونوں نے ہی اپنے انتخاب بتا دیے۔ اب فیصلہ شہزاد پر چھوڑ دیں۔ اسے آزادی دیں' وہ جیسی چاہے ویسی بیوی لے آئے۔ خدانخواستہ دوبارہ کوئی غلط فیصلہ ہو گیا تو ساری زندگی آپ لوگوں کو الزام دے گا۔“ بڑی آپا نے امّاں اور ابّا کو سمجھایا۔

پہلے پہل تو دونوں ہی اس فیصلے کے حق میں نہ تھے کہ شہزاد خود اپنے لیے لڑکی پسند کرے' بھلا خود سے آئی ہوئی لڑکی کیا گھر کرے گی' لیکن جب آپا نے مختلف زاویوں سے سمجھایا تو دونوں ہی چپ ہو گئے۔

بات اُن کو بھی سمجھ آگئی تھی کہ زندگی شہزاد کو گزارنی ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بار بار کے غلط انتخاب سے چوٹ کھا کر اسے عورت ذات سے ہی نفرت نہ ہو جائے۔

رات کو جب شہزاد میاں گھر آئے تو بڑی آپا نے اپنے تئیں اسے خوشخبری سنائی' لیکن اس کے چہرے پر کوئی بھی کیفیت نہیں اُبھری' وہ خاموشی سے کھانا کھا کر اٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔

ابّا نے ترچھی نظروں سے امّاں کو دیکھا' امّاں نے جواباً گھور کر ابا کو دیکھا۔ ”مجھے کاہے کو آنکھیں دکھا رہے ہو آپ؟“ امّاں نے سارے الزام نئے سرے سے دھر دیے جواب میں ابّا نے بھی کوئی ادھار نہیں رکھا۔

آپا بیچ بچاؤ کی کوشش کرتی رہیں اندر کمرے میں موجود شہزاد میاں کے تصّور میں کبھی نیلم اور کبھی نویدہ ابھرتی رہیں۔ مجرم کے کٹہرے میں کبھی ابّا تو کبھی امّاں آکر کھڑی ہو جاتیں' سوچوں کی یہ عدالت نہ جانے کتنے گھنٹے لگی رہی' جب کمر تختہ ہو گئی تو وہ اٹھے اور وضو کر کے جائے نماز بچھالی۔

اللہ سعادت مند لوگ اپنی زندگی کے فیصلوں کا اختیار اپنے بزرگوں اور والدین کو دیتے ہیں۔ میں اپنی زندگی کے فیصلے کا اختیار آپ کو سونپتا ہوں۔ بزرگ اور والدین بھی اچھے سے اچھا منتخب کرنے کی کوشش کرتے ہیں' لیکن قسمت کے آگے ہار جاتے ہیں۔ آپ تو عزیز اللہ ہیں' آپ تو کریم اللہ ہیں۔ اب کی بار میری شریک حیات کا انتخاب آپ کو کرنا ہے۔ آپ مجھے بھی جانتے ہیں اور مجھ سے جڑنے والی اپنی بندی کو بھی جانتے ہیں۔ آپ ہی میرے لیے جو مناسب ہو اسے میری زندگی میں عافیت کے ساتھ لے آئیے۔ ایسا جوڑ ملائیے کہ ازدواجی زندگی کی ساری راحتیں' ہم دونوں کو نصیب ہو جائیں۔ اللہ پاک کی پاکی وحمد وثنا اور درود شریف کے ساتھ دعا شروع کی اور ختم کی۔

اور سکون سے آنکھیں بند کر کے سو گئے' جس کو معاملہ سونپا تھا وہ صرف محبت کرنے والا ہی نہیں حکمت والا بھی ہے۔ اگلے سارے معاملے اسی کے سپرد تھے۔ اسی کو کرنے تھے اور دلوں کو اس پر راضی کرنا بھی اسی کا کام تھا۔

یہ وطن ہمارا ہے

ام محمد عبداللہ

اسمبلی شروع ہونے میں ابھی کچھ وقت باقی تھا۔ پرنسپل صاحب اسکول کا راؤنڈ لے رہے تھے۔ کچھ بچے ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے سامنے دیوار پر آویزاں قائدینِ پاکستان کی تصاویر دیکھ کر ہنس رہے تھے، پھر قومی ترانہ کچھ عجیب سے انداز میں پڑھتے ہوئے انہوں نے ٹافیوں اور چپس وغیرہ کے خالی ریپر بھی لاپروائی سے نیچے گرادیے۔ کچھ بچے ان کی ان حرکتوں پر بُرے بُرے منہ بنا رہے تھے اور کچھ بچے ہنس رہے تھے۔ جیسے حرکتیں ان کی دل لگی کا سامان ہوں۔

"ارے نہیں۔" پرنسپل صاحب کے منہ سے بے اختیار یہ الفاظ نکلے، جب ان بچوں نے بلاوجہ سامنے سے آنے والے ایک بچے کو دھکا دے کر گرادیا تھا۔ پرنسپل صاحب نے معمول کی پڑھائی معطل کر کے اسکول آڈیٹوریم میں سب طلبہ کو جمع ہونے کا حکم دیا۔ سارا اسکول آڈیٹوریم میں جمع ہو چکا تھا۔ پرنسپل صاحب کی سنجیدگی کی وجہ سے سب کے دل ان جانے خوف سے دھڑک رہے تھے۔

"عزیز طلبہ!!" پرنسپل صاحب اسٹیج پر موجود ڈائس پر آ کھڑے ہوئے تھے۔ "آج میں آپ کو ایک کہانی سنانے والا ہوں اور ایک کوئز بھی اس کہانی میں پوشیدہ ہے۔ اس سرگرمی کی کڑی شرط نظم و ضبط ہے اور خلاف ورزی کرنے والوں کے لیے سخت سزا بھی" پرنسپل صاحب کے خشک لہجے نے ہال میں سکوت طاری کر دیا تھا۔

"ہزاروں سال پہلے ایک خوب صورت باغ تھا۔ جس کے موسم معتدل اور ہواؤں میں خوشبوئیں بسی تھیں۔ جہاں پرندوں اور جھرنوں کی گنگناہٹیں، وہ جلترنگ بکھیرتیں کہ فضائیں سکون سے بھر جاتیں۔ طیب اور پاکیزہ رزق اس فراوانی سے دستیاب تھا کہ مشقت کی کوئی کہانی وجود میں نہ آئی تھی۔" پرنسپل صاحب کی آواز میں کچھ ایسا اثر تھا کہ طلبہ اس باغ کی خوب صورتی کو محسوس کرنے لگے تھے۔ "مگر پھر اچانک اس باغ کے باسی اپنے دشمنوں کی سازش کا شکار ہو کر اس باغ کو کھو بیٹھے۔"

"اوہ نو!" کچھ طلبہ کے منہ سے بے اختیار نکلا تھا۔

"اب انہیں گزارا کرنا تھا۔ ایک ایسی جگہ پر جو ان کے باغ کے مقابلے میں کچھ خاص نہیں تھی۔ وہ یہاں زندگی گزار سکتے تھے مگر اتنی پرسکون آرام دہ اور خوب صورت نہیں، جیسے کہ ان کے اپنے باغ میں تھی۔"

"پھر زندگی گزرتی رہی، کچھ لوگ اس نئی جگہ کو اس باغ جیسا بنانے کی کوششوں میں لگ گئے اور کچھ اپنے دشمن کی مزید سازشوں کا شکار ہو کر اس جگہ کو بھی برباد کرنے پر تل گئے، مگر کچھ ایسے بھی تھے۔ جو اپنے آبائی وطن لوٹ جانا چاہتے تھے۔" بچے دم سادھے پرنسپل صاحب کی طرف متوجہ تھے۔

"ایسے میں ان لوگوں میں ایک دردمند دل رکھنے والے بندہ صادق کو اس باغ تک جانے والا نقشہ اور نقشے کو سمجھانے والی ایک کتاب لوگوں تک پہنچانے کی ذمے داری دے دی گئی۔ یہ ایک بہت بھاری ذمہ داری تھی۔ جسے اٹھانے کو کوئی تیار نہ تھا۔ ایسے میں اس بندہ صادق نے تنہا ہی اس ذمے داری کو نبھانے کا عزم کیا۔ ایک جانب تو کچھ جہلا نے اس کتاب اور نقشے کو سمجھنے سے انکار کر دیا اور دوسری طرف دشمنوں نے باغ کو لوٹ جانے کی خواہش رکھنے والوں سے نقشہ اور کتاب چھیننے اور اسے سمجھنے اور سمجھانے کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنی شروع کر دیں۔ یوں ایک شدید کشمکش کا آغاز ہو گیا۔ حسین باغ کے وارث اس کتاب کو پڑھتے سمجھتے اس پر عمل کرتے اور نقشے کی مدد سے اپنے دلکش و حسین باغ کو لوٹ جاتے مگر اپنے باغ کو جانے سے پہلے حفاظت سے کتاب اور نقشہ اپنے بچوں کے حوالے کر جاتے کیوں کہ وہ سب اب اکھٹے وہاں نہیں جا سکتے تھے۔" ان کی یہ کوششیں دشمنوں کو ایک آنکھ نہ بھاتیں۔ پھر ایک وقت ایسا آیا کہ اس حسین باغ کو لوٹ جانے کی تڑپ رکھنے والے چاروں جانب سے عیار مکار اور گھٹیا دشمنوں کے نرغے میں گھر گئے۔ ان کے سامنے فقط دو راہیں رہ گئیں"

پرنسپل صاحب نے لمحہ بھر رک کر طلبہ پر نظر دوڑائی جو دم سادھے بیٹھے تھے۔

1۔ اس گزارے لائق جگہ کو اپنا گھر تسلیم کر لیں اور جیسے اپنا باغ کھو چکے ہیں۔ اپنا نقشہ اور کتاب بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کھو دیں۔

2۔ اپنے دشمنوں سے مردانہ وار لڑیں۔ اپنے لیے ایک محفوظ مقام حاصل کریں۔ اپنی کتاب اپنا نقشہ سمجھیں، اسے حفاظت سے اپنے بچوں کے حوالے کریں اور اپنے وطن کو لوٹ جائیں۔

"عزیز طلبہ! آپ بتائیے آپ کے خیال میں کون سی راہ کا انتخاب درست تھا؟" پرنسپل صاحب کہانی روک کر بچوں سے مخاطب ہوئے۔

دوسرا اور صرف اور صرف دوسرا راستہ۔۔۔ سب طلبہ متفق تھے۔

"دوسری راہ بہت کھٹن تھی مگر بزرگوں نے اپنے بچوں کے محفوظ مستقبل کے لیے اسی راہ کا انتخاب کیا۔ وہ اس کتاب اور نقشے کو سینے سے لگائے دشمن سے لڑتے رہے۔ ان کا مال لٹا۔ عزت و ناموس لٹی۔ زندگی کی بازی بھی ہارتے گئے مگر۔۔۔ مگر آخر دشمن ہار گیا۔ نقشہ و کتاب سینے سے چمٹائے وہ اپنے بچوں کو محفوظ گھر دلانے میں کامیاب ہو گئے۔" یہ سن کر طلبہ نے سکون کا گہرا سانس لیا۔۔۔۔

"مگر۔۔۔" پرنسپل صاحب پھر کہنے لگے: "اب بچے بڑے ہو رہے تھے۔۔" "زندگی کی دلچسپیاں بڑھ رہی تھیں۔ محفوظ گھر میں وہ نقشہ و کتاب الماری میں رکھ کر جیسے اسے بھول کر کھیل کود میں مشغول ہو گئے۔ ان کے دشمنوں کے لیے اس سے بڑھ کر خوشی کی اور کیا بات ہوتی بھلا! وہ کھڑکیوں اور روشن دانوں سے نقب لگانے لگے۔ بتائیے! اب کیا ہوگا؟ پرنسپل صاحب نے پوچھا تو ایک ذہین طالب علم گویا ہوا

"سر انہیں کھیل کود چھوڑ کر اس کتاب اور نقشے کی مدد سے اپنے آبائی وطن لوٹنا ہوگا"

"ورنہ؟" پرنسپل صاحب نے پوچھا۔

"سر وہ اور ان کا محفوظ گھر دونوں ہی دشمنوں کے ہاتھوں برباد ہو سکتے ہیں" اس طالب علم کے جواب پر باقی سب طلبہ نے بھی اس کی تائید کی۔

اب پرنسپل صاحب کوئز شروع کر چکے تھے۔

"وہ باغ کیا ہے اور کس کا آبائی وطن ہے؟"

"وہ جنت ہے، وہ ہمارا وطن ہے۔"

"بندہ صادق ہمارے رسول حضرت محمد ﷺ ہیں۔ نقشہ سیرت رسول ﷺ ہے

قائدکاپاکستان

اہلیہ محمد فیصل

"بس یہ لازمی پڑھائی مکمل ہو جائے اچھے نتیجے کے ساتھ پھر "یو کے" کی اسکالر شپ لے کر اس ملک کو خیر باد کہہ دینا ہے۔ یہاں تو بجلی، پانی، گیس جیسی ضروری سہولیات کے لیے بھی رونا پڑتا ہے، ٹریفک اور سیوریج سسٹم نے الگ ناک میں دم کیا ہوا ہے، اور میرٹ کا تو کوئی معیار ہی نہیں، جس نے جیب گرم کر دی اس کا کام ہو گیا، بس اللہ ہی حافظ ہے اس وطن کا۔۔" یہ بزنس اینڈ کامرس کالج کا طالب عمر اسلم تھا، جسے وطن اور اہل وطن سے کوئی سروکار نہ تھا، بس اپنی ذات کی فکر دامن گیر تھی جو کہ آج کے اکثر نوجوانوں کا وتیرہ ہے۔

***

جناح کیپ اور شیروانی پہنے عمر اسلم خود کو قائداعظم محسوس کر رہا تھا۔ کالج میں یوم آزادی کی مناسبت سے ایک ڈراما پیش کیا جانا تھا۔ اسی سلسلے میں دھان پان سے عمر اسلم کو منتخب کیا گیا تھا۔ عمر اسلم قد کاٹھ اور جسامت کے اعتبار سے قائداعظم سے مشابہت رکھتا تھا، ساتھ ہی انگریزی الفاظ بھی خوب ادا کرتا تھا اسی لیے ایکٹویٹی انچارج سر نثار کی نگاہ میں عمر اسلم اس کردار کے لیے موزوں تھا۔ اب جناح کیپ اور شیروانی نے عمر اسلم کو ہو بہو "قائد اعظم محمد علی جناح" بنا ڈالا تھا۔ تمام اساتذہ سر نثار کے انتخاب کی داد دے رہے تھے۔ ہر وقت جینز اور ٹی شرٹ پہننے والا عمر اس لباس میں خود ہی خود کو بھی سراہ رہا تھا۔ عمر اسلم اتنی ستائشی نگاہوں کو محسوس کر کے جھینپ سا گیا تھا۔ مگر ابھی اسے اپنے ڈائیلاگ بھی دہرانے تھے۔ اس لیے اس نے سب کی نگاہوں کو نظر انداز کر کے میک اپ روم میں جا کر اپنے اسکرپٹ کو رٹنا شروع کر دیا۔ لیکن یہاں بھی اسے یکسوئی میسر نہ آ سکی۔۔

"ارے جناح صاحب! آپ یہاں براجمان ہیں وہاں پر نسپل صاحب آپ کے نام کی منادی کروا رہے ہیں۔۔" احسن نے مصنوعی ایلچی کا کردار نبھایا اور شرارتی انداز سے عمر کو دیکھنے لگا۔

"یار مجھے اسکرپٹ دہرانا ہے، مجھے تھوڑی دیر دے دو ورنہ اسٹیج پر لوگ میری ٹماٹر اور انڈوں سے تواضع کر دیں گے۔۔" عمر نے سہمنے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

"میرے بچو! مجھے اس میں کوئی شک نہیں کہ اتحاد، یقینِ محکم اور تنظیم ہی وہ بنیادی نکات ہیں جو نہ صرف یہ کہ ہمیں دنیا کی پانچویں بڑی قوم بنائے رکھیں گے بلکہ دنیا کی کسی بھی قوم سے بہتر قوم بنائیں گے (کراچی 28 دسمبر، 1947)۔

ہم سب پاکستانی ہیں اور ہم میں سے کوئی بھی سندھی، بلوچی، بنگالی، پٹھان یا پنجابی نہیں ہے۔ ہمیں صرف اور صرف اپنے پاکستانی ہونے پر فخر ہونا چاہیے۔ (15 جون، 1948)۔

انصاف اور مساوات میرے رہنما اصول ہیں اور مجھے یقین ہے کہ آپ کی حمایت اور تعاون سے ان اصولوں پر عمل پیرا ہو کر ہم پاکستان کو دنیا کی سب سے عظیم قوم بنا سکتے ہیں۔

(قانون ساز اسمبلی 11 اگست، 1947)۔

عمر جوش کے ساتھ قائداعظم کے انداز میں بھرپور تقریر کرتے ہوئے قائد کے اقوال دہرا رہا تھا۔ پورے ہال پر سکوت طاری تھا۔۔ عوام کے گیٹ اپ میں ملبوس لڑکے نے پرزور نعرہ لگایا؛

قائداعظم زندہ باد

پاکستان پائندہ باد

پورا ہال ان نعروں سے گونج اٹھا۔۔

ڈرامے کو بے حد پذیرائی ملی اور اس میں عمر اسلم کے کردار نے اہم کام انجام دیا پرنسپل صاحب نے اسٹیج پر آ کر پوری ٹیم کو شاباشی دی اور ایوارڈ سے نوازا۔

***

اب پرنسپل صاحب تمام طلبہ سے مخاطب تھے۔ "میرے بچو! قائد نے یہ وطن بڑی تگ و دو اور انتھک محنت سے حاصل کیا۔۔ آپ سب جانتے ہیں کہ قائداعظم ایک باصلاحیت وکیل تھے اگر چاہتے تو اپنی ڈگری اور صلاحیتوں کو کیش کروا سکتے تھے بلکہ اس بات کا ان کو موقع بھی دیا گیا، مگر انہوں اپنی ذات کی بجائے، اپنے ہم وطنوں کو ترجیح دی دن رات ایک کر دیا-- بہت ساری جانوں کی قربانیوں سے یہ دیس ہمیں حاصل ہوا۔ اللہ تعالی نے اس دیس میں وافر مقدار میں نعمتیں رکھی ہیں۔۔

اب ہمیں اس کی قدر کرنی ہے، اس وطن کی باگ ڈور آپ سب نے سنبھالنی ہے، قائد اور اقبال کا روپ دھار کر نہیں بلکہ عملی طور پر ان کے جیسا بن کر ان کی روحوں کو ٹھنڈک پہنچانی ہے۔۔ ہمارا اس وطن کو حاصل کرنے کا مقصد کبھی فوت نہیں ہونا چاہیے۔۔" پرنسپل صاحب سوز کے ساتھ اپنا پیغام دے رہے تھے اور طلبہ ان کے پیغام کو دلوں میں اتار رہے تھے۔

عمر اسلم جو کبھی اعلیٰ تعلیم کے بعد ملک کو چھوڑ جانے کی سوچ رکھتا تھا آج قائد کے پیغام کو پہنچاتے ہوئے اس کے ارادے بھی تبدیل ہو گئے تھے۔ اب اسے اس ملک و ملت کی آبیاری کرنی تھی، وطن کی مٹی کا پاس رکھنا تھا، اپنی صلاحیتوں سے اس وطن کا نام روشن کرنا تھا۔ تھیٹر ہال سے باہر آتے ہوئے ہر طالب علم کی آنکھیں روشن اور عزم بلند تھے۔ وطن کی دھرتی اپنے سینے پر قدم دھرتے ان نوجوانوں کے لیے دعا گو تھی۔

اور کتاب قرآن مجید ہے۔

محفوظ گھر ہمارا پیارا پاکستان ہے اور اسے بنانے اور بچانے والے ہمارے بزرگ ہمارے قائدین ہیں۔

"عزیز طلبہ ذرا سوچ کر بتایئے آپ کو کیا کرنا ہے؟"

ہم مسلمان اور پاکستانی بچے ہیں۔

ہمیں ہمارے رسول ﷺ پر، اپنی کتاب قرآن پاک پر اور اپنے وطن پاکستان پر فخر ہے۔

اس ملک کے خلاف بولنے والے ہمارے دشمن ہیں۔

ہمیں اپنے قائداعظم، علامہ اقبال اور تمام رہنماؤں اور شہداء پاکستان اور ان کی قربانیوں کا احساس ہے۔ ہم ان کی عظمت کو سلام کرتے ہیں۔ ہم ان شاء اللہ اپنے مسلمان بھائیوں پر مہربان ہیں۔ ہمیں محنت اور علم حاصل کر کے اس وطن کو اسلام کا مضبوط ترین قلعہ بنانا ہے تاکہ ہم اللہ تعالی کے فضل سے اپنے آبائی وطن اپنے آبائی باغ جنت کو لوٹ سکیں۔۔۔

پرنسپل صاحب کی چند منٹوں کی کہانی سب طلبہ کو اپنے مقصد حیات سے آگاہ کر چکی تھی۔

سعد منائے گا یوم آزادی

سمیرا انور

"سعد! میرے بچے کیوں رو رہے ہو؟" دادا جان کمرے سے نکلے تو اسے سسکیاں بھرتے دیکھ کر پوچھا۔

"دادا ابو! مجھے جھنڈیاں اور جھنڈے لینے ہیں۔" سعد نے ضدی انداز سے کہا۔

"ابا جان! وہ دیکھیں کتنی ساری جھنڈیاں اس نے لے کر رکھی ہیں۔ اسے کہا ہے کہ پہلے انہی سے گھر سجائے لیکن یہ مزید لینے کی فرمائش کر رہا ہے۔" سعد کی امی جان نے اس کی شکایت لگاتے ہوئے کہا۔

یہ اگست کا مہینا تھا۔ ہر طرف جھنڈیاں اور جھنڈے لہراتے نظر آ رہے تھے۔ دس سالہ سعد بھی جوش و خروش سے جشن آزادی کی تیاریاں کر رہا تھا۔ اس نے اپنے جیب خرچ سے جھنڈیوں کے کئی پیکٹ خریدے تھے۔ رنگ رنگ کے بیج بھی اپنے کپڑوں پر سجانے کے لیے خرید لیے تھے۔ اسکول کے لیے جاتے ہوئے وہ بازار سے گزرتا تو اسٹال پر جگمگ کرتے جھنڈے اور جھنڈیاں اس کی توجہ اپنی طرف مائل کر لیتے اور اس کا دل چاہتا کہ وہ سب کچھ خرید لے۔

"سعد! یہاں آؤ۔" دادا جان نے اسے اپنے قریب بستر پر بٹھایا۔

"دادا جان! امی جان مجھے یوم آزادی کی خوشی اچھے انداز سے منانے ہی نہیں دے رہیں۔" سعد نے شکوہ کیا۔

"اس بار ہم دونوں دادا پوتا جشن آزادی خوب اچھے سے منائیں گے۔" انھوں نے پرجوش لہجے میں کہا۔ ان کی بات سن کر سعد خوشی سے اچھلنے لگا۔

"سعد بیٹا! آؤ جشن آزادی منانے کی تیاریاں شروع کریں۔" دادا جان نے اگلی صبح سعد کو آواز دی۔

"دادا جان! اتنی صبح صبح۔۔۔" سعد نے آنکھیں کھولتے ہوئے حیرانی سے کہا۔

"ہاں جلدی آؤ۔" دادا جان کی بات سن کر سعد تیزی سے اترا اور منہ ہاتھ دھو کر ان کے پاس آ گیا۔

"چلیں۔۔" دادا جان نے کہا تو سعد نے ناسمجھی سے ان کی طرف دیکھا۔

"ارے بیٹا! پہلے تم جشن آزادی کی تیاریاں دیکھ لو پھر فیصلہ کرنا کہ تم خود کیسے آزادی منانا چاہتے ہو۔" ان کی بات سن کر سعد نے سر ہلایا اور ان کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گیا۔ دادا جان اور سعد ایک گھنٹے کی مسافت کے بعد ایک شاداب علاقے میں پہنچے۔ سرسبز درختوں کی قطاریں بہت بھلی لگ رہی تھیں۔ کچھ بچے پودے ہاتھوں میں تھامے کھڑے تھے اور ایک آدمی زمین کھود کر پودے لگانے میں مصروف تھا۔ ایک طرف کچھ آدمی جمع تھے۔ سعد اور دادا ان کے قریب پہنچے۔ "بھائی صاحب! یہاں کیا ہو رہا ہے؟" دادا جان نے پوچھا۔

"بڑے میاں ہمارے علاقے کے بڑے، بوڑھے اور بچے ایک منفرد انداز سے آزادی کا جشن مناتے ہیں۔ اس سال ہمارے علاقے کے بچوں نے اپنا جیب خرچ جمع کیا اور آزادی کے اس مہینے میں الیکٹریکل کولر لگوانے کا بندوست کیا ہے۔ ہم وہی لگوانے کی تیاری کر رہے تاکہ مسافر یہاں سے پانی پئیں اور سب کے لیے دعا کریں۔" ان کی بات سن کر دادا جان بہت خوش ہوئے۔ سعد بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

"ہمارے علاقے کا ہر بچہ آزادی کے دن ایک درخت لگاتا ہے اور اس کی حفاظت کا ذمہ لیتا ہے اور روزانہ اسکول جانے سے پہلے اسے پانی بھی دیتا ہے۔ آپ دیکھ رہے ہوں گے کہ کچھ پودے بڑے درخت بن گئے ہیں۔ ہم کئی سالوں سے اپنے بچوں کو اس طرف متوجہ کر رہے ہیں کہ وہ جھنڈیوں پر بے دریغ پیسا خرچ نہ کریں بل کہ وطن سے محبت کا عملی ثبوت دیں اور اپنے ملک کی صحیح معنوں میں خدمت کریں۔" ایک ادھیڑ عمر شخص نے ایک کاغذ سامنے رکھا جس پر ایسے بچوں کے نام تھے جنھوں نے پچھلے سال اپنے اپنے انداز میں آزادی منانے کا عہد کیا تھا اور اس سال وہ اس پر عملی طور پر کام کر رہے تھے۔ کسی نے درخت لگانے کا وعدہ کیا تھا تو کسی نے گلی، محلے کے مستحق بچوں کے لیے تحفے خریدے تھے۔ انھوں نے جھنڈے اور جھنڈیاں بھی خرید کر اپنے گھروں کو سجایا تھا لیکن احتراماً زیادہ نمود و نمائش سے گریز کیا تھا۔

"چچا جان! میں بھی اپنے وطن سے پیار کا اظہار کرنا چاہتا ہوں۔ جھنڈیاں نیچے گرتی ہیں اور میرے قائد اعظم کی تصویر پاؤں تلے آتی ہے اس لیے میں آزادی کی خوشی کچھ منفرد انداز میں منانا چاہتا ہوں۔" 8 سالہ ایک بچے نے قریب آتے ہوئے کہا۔

"ہاں ضرور بیٹا! بتاؤ کس طرح یوم آزادی کی خوشی منانا چاہتے ہو۔" انتظامی امور سنبھالنے والے بزرگ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"میں نے اپنی امی کے ساتھ مل کر کچھ رقم جمع کی ہے تاکہ میں آزادی کے دن غریب بچوں میں کھانا بانٹ سکوں۔" اس بچے کی بات سن کر سعد کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ وہ سب لوگ کتنے اچھے انداز سے جشن آزادی منا رہے تھے۔ وطن سے محبت کا کتنا پیارا طریقہ تھا جس کے ذریعے سے نہ صرف وطن کے لوگوں سے محبت کا اظہار کرنا تھا بل کہ سکونِ قلب بھی حاصل کرنا تھا۔ وطن سے حقیقی محبت ظاہری نمود و نمائش سے نہیں ملتی۔ سعد بھی اپنے وطن کی آزادی کچھ نئے انداز سے منائے گا۔ وہ اپنے لوگوں کی مدد کرے گا وہ اس رعایا کی خدمت کرے گا جس کا خیال رکھنے کا ذمہ راہ نما ملت قائد اعظم محمد علی جناح نے لگایا تھا۔ ایک نئے عزم و ارادے سے سعد نے اپنے دادا جان کا ہاتھ تھاما اور وہاں سے واپسی کے لیے چل پڑا۔

ڈولفن

فوزیہ خلیل

عکاشہ اپنے کمرے میں لیٹا ہوا کہانی کی کتاب پڑھ رہا تھا۔ کہانی بہت ہی دل چسپ اور سنسنی خیز تھی۔

کہانی ایک ڈولفن سے متعلق تھی جو انسانوں سے بہت محبت کرتی ہے' بچوں کو اپنے اوپر بٹھا کر ساحل پر چھوڑ کر آتی ہے اور بچوں سے کھیلتی رہتی ہے۔ عکاشہ کو یہ کہانی بہت پسند آئی۔ شام کو جب ابو آفس سے گھر آئے تو عکاشہ نے اُن سے اس کہانی کا ذکر کیا۔ "ابو جان! آج میں نے ایک کہانی پڑھی' بہت ہی دل چسپ کہانی تھی۔" وہ جوش و خروش سے بتا رہا تھا۔

"اچھا! کس بارے میں؟" انہوں نے پوچھا۔ "ایک مچھلی کے بارے میں' ڈولفن مچھلی۔" اُس نے جلدی سے کہا۔

"ڈولفن مچھلی؟؟" ابو حیران ہوئے۔ "عکاشہ بیٹا' ڈولفن سمندر میں رہنے والی مخلوق ہے' جیسے سمندر میں بہت سی مخلوقات رہتی ہیں لیکن سمندر میں رہنے والی ہر مخلوق کو ہم مچھلی تو نہیں کہہ سکتے۔ مچھلیاں انڈے دیتی ہیں لیکن ڈولفن انڈے نہیں دیتی' یہ ایک مچھلی نہیں ہے جیسے ہم ویل مچھلی کہتے ہیں مگر ویل بھی مچھلی نہیں ہے۔"

"اچھا۔" عکاشہ حیران ہوا پھر بولا۔ "ابو کیا ڈولفن واقعی انسان دوست ہوتی ہے' جیسا کہ اس کہانی میں لکھا گیا ہے۔"

ڈولفن کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ انسان دوست ہے۔ انسانوں سے محبت کرتی ہے۔ بچوں سے کھیلتی ہے۔ مگر ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا' یہ حملہ بھی کر سکتی ہے اور نقصان بھی پہنچا سکتی ہے۔ اس کے سو کے قریب دانت ہوتے ہیں۔ پوری زندگی یہی دانت رہتے ہیں۔ ڈولفن ان دانتوں کو چبانے کی بجائے پکڑنے میں استعمال کرتی ہے۔ اس کے دانت اگر گر جائیں یا کسی وجہ سے ٹوٹ جائیں تو نئے دانت نہیں نکلتے۔"

"اچھا اچھا۔" عکاشہ بولا۔ "ابو جان سنا ہے ڈولفن بھی انسانوں کی طرح اپنی بستیاں بناتی ہیں۔ انہیں اپنے بچوں سے بہت پیار ہوتا ہے۔ یہ بہت توجہ اور محنت سے اپنے بچوں کی پرورش کرتی ہیں۔ اگر کوئی مچھلی بیمار پڑ جائے تو ساری مچھلیاں اس کی دیکھ بھال کے لیے آتی ہیں اور اسے شکار پہنچاتی ہیں۔"

"عکاشہ بیٹا! ڈولفن بہت ذہین مخلوق ہے۔ یہ ایسی مخلوق ہے کہ اس کا دماغ انسانی دماغ سے بڑا ہوتا ہے۔ ڈولفن کی بہت ساری اقسام ہوتی ہیں ان میں Bottlenose Shark تو آئینے میں اپنے آپ کو پہچان بھی لیتی ہے جس سے اس کے ذہین ہونے کا پتا چلتا ہے۔" ابو بولے۔

"آئینے میں پہچان لیتی ہے' ارے واہ۔" عکاشہ خوش ہو گیا پھر جلدی سے بولا۔ "کیا اس کو بھی انسانوں کی طرح بیماریاں لاحق ہوتی ہیں؟"

"ہاں بیٹا! سنتے ہیں' اسے بھی انسانوں کی طرح دل اور دماغ کی بیماریاں ہوتی ہیں۔ ان کو دل کا دورہ بھی پڑ سکتا ہے۔ یہ صدمہ محسوس کرتی ہیں۔ ان کی سننے کی صلاحیت اچھی ہوتی ہے۔ یہ آپس میں گفتگو بھی کرتی ہیں۔ مختلف طرح کی آوازیں نکالتی رہتی ہیں۔ اونچی' نیچی' تیز طرح کی آوازیں' مدہم وغیرہ۔" ابو جان بولے۔

"اور سونگھنے کی صلاحیت؟" عکاشہ نے جلدی سے پوچھا۔

"نہیں بیٹا ڈولفن میں سونگھنے کی صلاحیت نہیں ہوتی یہ سونگھ نہیں سکتی۔" ابو جان نے جواب دیا۔

"ابو جان! کہانی کی اس کتاب میں لکھا ہے کہ اگر ہم پانی میں کوئی انگور یا فالسے کا دانہ پھینکیں تو ڈولفن اسے بجلی کی سی تیزی سے اٹھالاتی ہے۔ اس دانے تک جانے کے لیے ڈولفن اپنی آنکھوں کی بجائے کانوں سے کام لیتی ہے۔ جیسے ہی ہم پانی میں فالسے کا دانہ پھینکیں گے تو مدہم سے تھرتھراہٹ ہو گی جو کئی کلومیٹر دور کھڑی ڈولفن کو خبردار کر دے گی اور وہ دانہ اٹھالائے گی۔"

"عکاشہ بیٹا! ڈولفن میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ پانی میں سے کوئی چیز اٹھا سکتی ہے' پکڑ لیتی ہے۔" ابو جان نے کہا۔

ابو جان! ڈولفن کے کتنے بچے ہوتے ہیں؟" عکاشہ نے پوچھا۔ "کیا جس طرح انسانوں میں جڑواں بچے ہوتے ہیں کیا ڈولفن کے بھی جڑواں بچے ہوتے ہیں؟"

"بیٹا! ڈولفن کے زیادہ بچے نہیں ہوتے اور جڑواں تو کبھی نہیں ہوتے۔ ڈولفن کا کئی سالوں میں ایک بچہ ہوتا ہے۔ یہ مختلف ڈولفن پر منحصر ہے۔ یہ کئی سال اپنے بچوں کے ہمراہ گزارتی ہے۔ انہیں شکار کرنا سکھاتی ہے خطرات سے بچاتی ہے۔"

"کیا ڈولفن کا گوشت کھایا جاتا ہے؟" عکاشہ نے پوچھا۔

"بہت ہی کم ممالک میں ڈولفن کا گوشت کھایا جاتا ہے جیسے جاپان اور پیرو وغیرہ میں۔ پکی ہوئی ڈولفن کا ذائقہ گائے کے جگر کے ذائقے سے ملتا جلتا ہوتا ہے مگر ڈولفن کا گوشت مضر صحت ہوتا ہے۔" ابو جان نے جواب دیا پھر بولے: "بیٹا! سمندر سے ڈولفن مچھلیوں کو انسان پکڑ لیتے ہیں انسان کے پکڑنے سے اور پانی میں آلودگی کی وجہ سے ڈولفن اور دوسری سمندری حیات خطرے میں ہے۔ انسان سمندری اور دریائی پانی کو آلودہ کرتا ہے۔ مضر صحت مادے سمندوں میں بہائے جاتے ہیں۔ سمندری جہاز ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوتے ہیں ان سے تیل بہتا ہے ہم اپنا فالتو مادہ سمندروں میں تلف کرتے ہیں' کچرا پھینکتے ہیں' اس سے بہت سے سمندری جانور اور مچھلیاں مر جاتی ہیں۔ اگر ڈولفن کی حفاظت کے اقدامات نہ کیے گئے تو ہم اس انسان دوست جانور سے محروم ہو جائیں گے۔" ابو جان بولے۔

ابو جان کی بات سن کر عکاشہ دل ہی دل میں سوچنے لگا کہ انسان کتنا ناسمجھ ہے۔ خود اپنے ہی ہاتھوں اپنے آپ کو بربادی میں ڈالتا ہے!!! ہلاکت میں ڈالتا ہے!!! انسان کتنا ناسمجھ ہے!!

روشن ستارہ

قرۃ العین خرم ہاشمی

"میرا شہزادہ کیا کر رہا ہے؟" شہریار نے اپنے بیٹے علی حسن کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے پیار بھرے انداز میں پوچھا۔ علی حسن بیڈ پر نیم دراز' اپنے ہاتھ میں پکڑے ٹیب کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ یہ ٹیب (Tab) پانچویں جماعت میں پہلی پوزیشن لینے پر اس کے دادا جان نے سعودی عرب سے بھیجا تھا۔ علی حسن ابھی بھی ان سے ویڈیو کال پر بات کر رہا تھا۔

"دادا جان! بابا بھی آ گئے ہیں۔" علی حسن نے پرجوش انداز میں کہا۔ اس وقت اچانک کال ڈراپ ہو گئی۔ تب تک شہریار اس کے پاس پہنچ گیا۔ "کیا ہوا؟" شہریار نے بیٹے کے پاس بیڈ پر بیٹھتے ہوئے سوال کیا۔ "پتا نہیں دادا جان کہاں چلے گئے۔ میں دوبارہ کال کرتا ہوں۔" علی حسن نے فکرمندی سے کہا۔

"رہنے دو! وہ بزی ہوں گے۔" شہریار نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

"نہیں بابا! دادا جان ابھی تو کام سے آئے تھے۔ شاور لے کر فارغ ہوئے اور چائے پیتے ہوئے مجھ سے باتیں کر رہے تھے۔ آپ کو پتا ہے آج دادی جان نے پیاز اور آلو کے پکوڑے بنائے ہیں۔ جیسے آپ کو پسند ہیں اور۔۔۔" علی حسن اپنے باپ کو سب کچھ بتانے کے لیے بے چین تھا۔ شہریار یہ سن کر مزید اداس ہو گیا مگر اس نے چہرے سے ظاہر نہیں کیا۔ "اچھا یہ سب چھوڑو اور یہ بتاؤ کہ تمہاری نئی کامیابی پر کیا خاص تحفہ دیا جائے؟" دراصل علی حسن نے اب آٹھویں جماعت میں پہلی پوزیشن لی تھی جس پر اس کے امی ابو ایک بڑی تقریب کا اہتمام کر رہے تھے۔ جس کے لیے سب مہمانوں کو دعوت نامے بھیج دیے گئے تھے۔

"خاص؟" علی حسن نے اپنی بڑی بڑی آنکھوں کو گھماتے ہوئے باپ کی طرف دیکھا۔ شہریار بہت محبت سے اپنے اکلوتے بیٹے کو دیکھ رہا تھا۔

"میرے لیے خاص تو یہ ہو گا اگر دادا جان اور دادی جان اس تقریب میں آ جائیں۔" علی حسن نے ہمیشہ کی طرح ایک ہی خواہش کا اظہار کیا۔ شہریار کا چہرہ بجھ کے رہ گیا۔

"یہ تو مشکل ہے۔" شہریار نے نفی میں سر ہلایا تھا۔ "کیوں بابا جانی؟" علی حسن نے لاڈ سے سوال کیا۔

"اس لیے کہ وہ بہت دور رہتے ہیں۔" شہریار نے کہا۔

"ہاں مگر وہ کبھی بھی نہیں آتے۔ نہ ہم ان کے پاس جاتے ہیں۔" علی حسن نے الجھ کر سوال کیا۔

"انھیں کام سے چھٹی نہیں ملتی۔" شہریار نے بہانہ کیا۔ "مگر آپ کو تو ملتی ہے نا! پچھلے سال بھی ہم چھٹیوں میں ترکی چلے گئے تھے مگر دادا جان کے پاس نہیں گئے۔"

علی حسن نے منہ بنا کر کہا۔ اس نے پچھلے سال سعودی عرب جانے کی بہت ضد کی تھی مگر شہریار اور فریحہ اسے بہلا پھسلا کر ترکی لے گئے تھے۔ مگر وہاں جا کر بھی اس نے دادا جان اور دادی کو بہت یاد کیا تھا۔ "تمہارے دادا جان وقتاً فوقتاً تمہیں تحفے تو بھیج دیتے ہیں نا۔" شہریار نے بات کو ٹالا۔

"یقیناً مگر میں ان سے ملنا بھی چاہتا ہوں۔" علی حسن نے بے بسی سے کہا۔

"اچھا یہ بتاؤ کہ کھانے میں کیا بنوایا جائے۔" شہریار نے دوسرا سوال پوچھا تو علی حسن اسے اپنی پسند بتانے لگا۔ علی حسن کے ساتھ کافی وقت گزار کر شہریار جب اپنے کمرے میں آیا تو بہت اداس اور تھکا تھکا سا لگ رہا تھا۔ "کیا ہوا؟" ٹی وی دیکھتی فریحہ نے ایک نظر شوہر کے چہرے پر ڈالی۔

"علی حسن کی ایک ہی ضد ہے۔ ابا اور اماں سے ملنے کی۔" شہریار تھک کر صوفے پر بیٹھ گیا اور گہری سانس لینے لگا۔

"میں جانتی ہوں۔ آپ کے والدین ہر وقت اس سے رابطے میں رہتے ہیں۔" فریحہ نے منہ بنا کر کہا۔

"تو کیا یہ بھی نہ کریں۔ مت بھولو کہ علی حسن کو پالنے والے وہ لوگ ہیں۔ ہم دونوں تو ایک سال کے علی حسن کو دادا' دادی کے پاس چھوڑ کر اسپیشلائزیشن کرنے باہر چلے گئے تھے۔" شہریار نے پرانے وقت کو یاد کرتے ہوئے کہا۔

"تو کیا ہوا یہ ان کا فرض تھا۔" فریحہ نے بے نیازی سے کہا۔

"کچھ فرض ہمارے بھی تھے۔ بوڑھے والدین سے ضد کر کے میں نے تمہاری وجہ سے الگ گھر لیا حالاں کہ ہم آرام سے ان کے ساتھ رہ رہے تھے مگر۔۔۔" شہریار نے پچھلے وقت کو یاد کرتے ہوئے کہا۔ "تو کیا ہو گیا؟ میں باہر سے اس لیے پڑھ کر نہیں آئی تھی کہ اپنی زندگی کسی کے بوڑھے والدین کے ساتھ گزاروں۔ الگ رہنا میرا حق ہے۔" فریحہ نے غصے سے کہا۔

"اور میرے والدین اس بات سے اتنے دل برداشتہ ہوئے کہ یہ ملک چھوڑ کر سعودی عرب چلے گئے۔" شہریار نے اداسی سے کہا۔ "انکل کو وہاں اچھی جاب مل گئی تھی۔" فریحہ نے کہا۔

"یہ صرف بہانے ہیں۔۔۔" شہریار کچھ اور بھی کہہ رہا تھا۔ علی حسن جو کسی کام سے باپ کے پاس آیا تھا' والدین کی گفتگو سن کر پر سوچ انداز میں واپس پلٹ گیا۔ ساری رات وہ جاگ کر اپنے والدین کے بارے میں سوچتا رہا۔ کئی دن گزر گئے۔ اس دوران تقریب بھی خوب اہتمام سے ہوئی۔ لیکن علی حسن کے ذہن پر چھایا سوچ کا جالا اسے طرح بنا رہا۔ وہ ہر روز سوچتا کہ کسی طرح پھر سے اس کے والدین اور دادا جان' دادی ایک ہو جائیں مگر اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا کرے کہ اپنے والدین کو ان کی غلط حرکت کا احساس دلا سکے۔ ایک دن مولوی صاحب پڑھانے آئے' تو اس نے اچانک ان سے باپ کی عزت اور تکریم کے بارے میں سوال کیا۔ مولوی صاحب مسکرا دیے اور اسے باپ کی اہمیت اور رتبے کے بارے میں بتانے لگے۔ مولوی صاحب نے ایک حدیث سنائی جسے علی حسن نے اچھی طرح ذہن نشین کر لیا۔

کچھ دنوں بعد فادرز ڈے تھا۔ علی حسن نے اپنے باپ کے لیے پیارا سا وشنگ کارڈ لیا اور فادرز ڈے والے دن شہریار کو سرپرائز وش کرتے ہوئے جب کارڈ اور ساتھ کیک دیا تو شہریار اور فریحہ حیران رہ گئے۔

"تمہیں یاد تھا؟" شہریار نے حیرانی سے سوال کیا۔ علی حسن نے اثبات میں سر ہلایا۔ "کیک کیسے لائے؟" شہریار نے دوسرا سوال کیا۔ "ڈرائیور انکل سے منگوایا۔" علی حسن نے معصومیت سے کہا۔

"اور پیسے؟" فریحہ نے حیرت سے سوال کیا۔ "ڈرائیور انکل کہہ رہے تھے کہ پیسے بعد میں دے دینا۔" علی حسن نے کہا تو شہریار اور فریحہ ہنس پڑے۔ "اچھا یہ بتاؤ کہ پہلے کیک کاٹیں یا کارڈ کھولیں؟" شہریار نے خوشگوار موڈ میں سوال کیا۔

"بابا آپ کی مرضی ہے۔" علی حسن نے کندھے اچکا کر کہا۔ "پہلے کارڈ کھولتے ہیں پھر کیک کاٹیں گے۔" فریحہ نے جلدی سے کہا تو شہریار نے سر ہلاتے ہوئے کارڈ لفافے سے باہر نکالا۔ "کارڈ تو بہت پیارا ہے۔" شہریار نے متاثر نظروں سے دیکھا۔ یہ کارڈ علی حسن نے خود بنایا تھا۔ شہریار نے مسکراتے ہوئے کارڈ کھولا۔ کارڈ پر لکھی عبارت پڑھتے ہی اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ فریحہ نے فوراً اس کے ہاتھ سے کارڈ لیا اور اس پر لکھی عبارت اونچی آواز میں پڑھنے لگی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "باپ جنت کا درمیانی دروازہ ہے' اگر تم چاہو تو اس دروازہ کو ضائع کر دو اور چاہو تو اس کی حفاظت کرو۔" (سنن ترمذی:1899)

اس حدیث شریف کو سرخ روشنائی سے لکھا ہوا تھا۔ نیچے کالی روشنائی سے علی حسن نے لکھا تھا۔

"بابا! میں آپ سے بہت محبت کرتا ہوں۔ آپ اپنے بابا کو چھوڑ سکتے ہیں مگر میں آپ کو کبھی چھوڑ کر نہیں جاوں گا۔ اس لیے کہ آپ میرے لیے جنت کا دروازہ ہیں۔ بابا! کیا آپ کو اپنی جنت کا دروازہ نہیں چاہیئے؟" یہ پڑھ کر دونوں میاں بیوی گم صم بیٹھے رہ گئے۔ انھیں ایسا لگ رہا تھا کہ ان کے نو عمر بیٹے نے انھیں آئینہ دکھا دیا تھا۔

"سوری بابا!" علی حسن نے باپ کے پاس آ کر ہاتھ پر ہاتھ رکھا تو شہریار نے بھیگی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا۔ شہریار کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اس نے علی حسن کو گلے سے لگا لیا۔

"سوری تو مجھے کہنا ہے۔ تمہارے دادا جان اور اپنے ابا سے۔۔" شہریار نے کہا اور پھر

انوکھا یوم آزادی

محمد احمد رضا انصاری

پوری دوپہر کمرے میں یوں گزرتی، جیسے کسی تنور میں بٹھا دیا گیا ہو۔اور پنکھا بھی کم بخت شدید گرمی میں دل چھوڑ بیٹھتا اور یوں چلتا جیسے اس کا بلڈ پریشر لو ہو گیا ہو۔ ورنہ سردی میں سب سے کم اسپیڈ میں بھی گھوڑے کی تندی سے گھومتا اور موسم گرما میں فل رفتار میں بھی کمزور اور بوجھ لدے گدھے جتنی رفتار مشکل سے پکڑتا پاتا تھا۔ ہمارے گھر کی مغربی جانب کوئی گھر یا درخت وغیرہ نہ تھے۔ دوپہر کے وقت دھوپ سیدھی پتلی دیوار سے ہمیں نشانہ بناتی تھی۔ارم اور نمرہ اس بھاڑ جیسی گرمی میں بھی منہ کھولے اور بازو چارپائی سے نیچے لٹکائے بے سدھ پڑی تھیں۔ بقول امی کے اگر پنکھا بند بھی ہو جائے تو ان کی نیند میں کوئی خلل نہیں پڑنا تھا۔

ہم ہوا کے نیچے لیٹے بھی سر سے پاؤں تک پسینے میں شرابور تھے۔ دھوپ ڈھلنے کے گھنٹے بھر بعد کمرہ نما جہنم سے باہر نکلنے کی ہمت ہوئی۔ زمین ہنوز تپی ہوئی تھی۔ ہم نے صحن میں پانی کا چھڑکاؤ کیا تو جیسے جلتی آگ پر تیل چھڑک دیا ہو۔ بھاپ سی اٹھنے لگی اور ایک دم حبس ہو گیا۔ مزید پانی انڈیلا گیا۔ شکر خدا کا ہلکی ہلکی ہوا چلنے لگی تھی اور کچھ سکون کا سانس لیا۔

مغرب سے کچھ پہلے ہم چھت پر چڑھے۔ چار اطراف کا جائزہ لیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ اب جشن آزادی وغیرہ کوئی نہیں مناتا۔ ایویں پیسوں کا ضیاع۔۔ اور جھنڈے تو چلو سبز رنگ کے مل جاتے تھے لیکن جھڈیاں ! نہ ہی پوچھیں۔ نیلی پیلی لال کالی اٹھا کر بچوں کو دے دیتے تھے اور نقلی کاغذ دے کر اصل قائد اعظم دھڑلے سے وصول کر لیتے تھے۔ بچے شوق سے گھروں پر جھنڈیاں جھنڈے لگاتے تو تھے لیکن ایک بارش آئی اور سب کچھ زمین پر۔ واہ۔ جشن آزادی سے پہلے ہی جنگل میں منگل کا سماں ہو گیا۔۔۔ رنگا رنگ جھنڈیاں فضا کی بجائے زمین پر بکھری نظر آئیں۔اس سال تو بس دور ایک جھنڈا لہراتا دکھائی دیا تھا۔ "لگتا ہے یہ روایت جلد دم توڑنے والی ہے۔" ہم نے خود کلامی کی۔۔۔

ذہن کی رو کہیں دور پچھلے وقت میں لے گئی۔۔۔ جب شہر کے ہر چوک کو خوب روشنیوں اور جھنڈے جھنڈیوں سے سجایا جاتا تھا۔۔ ملی نغمے چودہ دن قبل ہی بجنے شروع ہو جاتے تھے۔۔۔ سڑکوں کے کنارے اسٹالوں سے بھرے ہوتے اور ہر جانب سبز رنگ چھلکتا نظر آتا تھا۔۔۔

عجیب عجیب سے ماسک، بیج، شرٹیں، جھنڈیاں، ہر قسم کے جھنڈے اور پتا نہیں کیا کچھ لوگ بیچنے کو بیٹھے ہوتے تھے۔۔۔ بچے تو بچے بڑے بھی خریداری کرتے دکھائی دیتے۔۔۔ گاڑیوں، موٹر سائیکلوں، سائیکلوں پر ننھے خوبصورت جھنڈے لگائے جاتے جو کئی مہینوں تک لگے رہتے تھے۔۔۔

آزادی کے حوالے سے چوک چوراہوں میں کئی ماڈل بھی بنائے جاتے تھے ۔۔۔ مینار پاکستان، قائد کا مزار، علامہ اقبال کا مزار، درہ خیبر، ایک سجی سجائی ٹرین جو اپنی پٹڑی پر چھکا چھک دوڑتی تھی جسے دیکھنے بچوں کا ہجوم جمع ہوتا تھا۔۔۔

کوئی چھت ایسی نظر نہ آتی جس پر بڑا یا چھوٹا جھنڈا نہ لگا ہوتا۔۔۔ اور رات کو تو جشن کا سماں نظر آتا۔۔۔ جھنڈیوں اور جھنڈے سے لپیٹی گئی رنگ برنگی لائیٹیں خوب چمکتیں اور دیکھنے والے کا دل وطن کی محبت سے معمور ہو جاتا۔۔۔

"حق ہاہ۔۔۔" میرے منہ سے ٹھنڈی سانس نکل گئی۔۔ اب تو سب ہوا ہو چکا تھا۔۔۔

وقت نے سب کچھ پیچھے چھوڑ دیا تھا۔۔۔ جشن آزادی منانا ایک بدعت جیسا بنتا جا رہا تھا جسے مناتے لوگ ڈرتے تھے۔۔۔ بھئی کون اب ہزاروں روپے لگا کر ایک دن وطن سے محبت کا اظہار کرے۔۔۔۔

خوامخواہ۔۔۔ بچوں کا پیٹ بھریں یا فضول خرچیوں میں پیسا اڑائیں۔۔۔؟

اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔۔ کل چودہ اگست تھی۔۔ میرا دل جانے کیوں مغموم سا ہو گیا۔۔۔

ایک نظر چھت کے کونے پر بنے ڈربے پر گئی۔۔۔ ارم کے دو پالتو کبوتر غٹر غوں کر رہے تھے۔۔۔ تبھی ارم چھت پر آئی۔۔ اس کے ہاتھ میں پانی کا برتن تھا۔۔۔

"سنو۔۔ چودہ اگست پر تمہارے کبوتروں کو آزاد کیوں نہ کر دیں۔۔ بہت ثواب ملے گا۔۔۔؟" میرے منہ سے اچانک نکل گیا۔۔۔

اس نے کڑے تیوروں سے مجھے دیکھا۔

"بھیا۔۔۔ خبر دار جو میرے معصوم کبوتروں کو آزاد کیا۔۔۔ غضب خدا کا۔۔ اتنی مہنگی جوڑی لائے تھے ابو۔ میں چاہتی ہوں ان کی نسل بڑھے اور آپ جناب کے خیال ہی کچھ اور ہیں۔"

"ہونہہ۔۔۔ مت کماؤ ثواب۔" میں نے منہ بنایا اور اپنا سا منہ لے کر نیچے اتر آیا تھا۔۔۔

عبدالرحمان کو کال ملائی۔ "فادرز ڈے مبارک ابو! میں جانتا ہوں کہ میں آپ کا اچھا والا بیٹا نہیں ہوں مگر آپ دنیا کے بہترین باپ ہیں۔" شہریار نے کہا تو دوسری طرف بیٹھے دادا جان اور دادی جان رو پڑے۔

"ہم کچھ دنوں میں عمرہ کرنے وہاں آ رہے ہیں، مگر سب سے پہلے آپ سے مل کر معافی مانگیں گے اور پھر آپ کے ساتھ عمرہ کرنے جائیں گے۔" شہریار نے اسی وقت سوچ لیا تھا۔ اس کی بات سن کر سب کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے۔ "مجھے بھی معاف کر دیں۔" فریحہ نے شرمندہ آواز میں کہا۔

"یہ معافی تلافی بعد میں کریں گے۔ پہلے جلدی سے یہاں آنے کی تیاری کرو۔" دادا جان نے ہنستے ہوئے کہا۔ سب مسکرانے لگے۔ کچھ دنوں کے بعد وہ سب سعودی عرب میں اکھٹے تھے۔ جب وہ احرام باندھ کر عمرہ کرنے گئے تو وہاں کے روح پرور نظارے دیکھ کر سب کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ بارہ سال کا علی حسن احرام باندھے جب اپنے بابا اور دادا جان کے آگے آگے چلتا تھا تو ان کا سر خدا کے حضور شکرانے میں جھک جاتا کہ بے شک نیک اولاد اسی ذات کی عطا ہے۔ ایک ایسے روشن ستارے کی طرح جس نے ان کی تاریک زندگیوں کو پھر سے روشن کر دیا تھا۔ علی حسن ان کی زندگی کا سب سے روشن ستارہ تھا۔

تحریم نے ہدیہ دیا

سامان یوسف سمیجہ

"آپی! یہ آپ کیا پیک کر رہی ہیں؟" سات سالہ تحریم نے اپنی بڑی بہن خدیجہ کو کچھ پیک کرتے دیکھا تو حیرت بھرے لہجے میں سوال کیا۔ "ہدیہ پیک کر رہی ہوں تحریم!" خدیجہ آپی نے مسکرا کر بتایا۔

"وہ کیوں آپی؟" تحریم نے معصومیت سے بھرے لہجے میں پوچھا۔ "ظاہر ہے کسی کو دینے کے لیے۔" آپی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"کس کو دینے کے لیے؟" ایک اور سوال کیا گیا۔ "ایک سہیلی ہے مہوش میرے ساتھ پڑھتی ہے' امیر لڑکی ہے اُس کو دوں گی۔" آپی نے بتایا۔

"اچھا!!!۔۔۔!" تحریم نے "اچھا" کو کچھ زیادہ ہی کھینچا تھا۔ "جی ی ی ی۔۔۔!" خدیجہ آپی نے بالکل اُسی کے انداز میں کہا۔ "ویسے ہدیہ کے طور پر دے کیا رہی ہیں اُسے؟" تحریم نے پر تجسّس انداز میں پوچھا تھا۔ "کہانیوں کی ایک کتاب!" خدیجہ آپی جو ہدیہ مکمل طور پر پیک کر چکی تھیں' بولیں۔

"اُس کو ہدیہ کرنے سے کیا ہوگا آپی؟" تحریم نے ایک اور سوال کیا تھا۔ "ہم دونوں کی دوستی مضبوط ہوگی اور ہمارے درمیان محبت پیدا ہوگی۔" خدیجہ آپی مسکرا کر کہنے لگیں: "ہمارے پیارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

"ایک دوسرے کو ہدیہ دیا کرو۔" (مشکوٰۃ' جامع الترمذی' حدیث نمبر 2130)

"اچھاااا۔۔۔!" تحریم نے "اچھا" کو پھر کھینچا۔

"ہاااں۔۔۔!" آپی نے ہنستے ہوئے ہاں کو کھینچ کر کہا۔

"گویا آپ اس حدیث مبارکہ پر عمل کر رہی ہیں!" تحریم بولی۔ "جی بالکل!" خدیجہ آپی نے اسے پیار کیا۔

"آپی! مجھے بھی اس حدیث مبارکہ پر عمل کرنا ہے۔"

"اچھا واہ! کسی سہیلی کو ہدیہ دو گی؟" خدیجہ آپی خوش ہو کر بولیں۔ "آپی! آپ کو تو پتا ہی ہے کہ میری ایک ہی سہیلی ہے جس کا نام ایمان ہے' اسی کو دوں گی!" تحریم نے بتایا۔ "اچھا!" آپی نے سر ہلایا۔ "جی!" تحریم نے کہا۔ "پھر تم اُسے ضرور ہدیہ دو۔" اُنھوں نے کہا۔ "جی مگر کیا دوں؟" تحریم نے پوچھا۔

"ایک قلم دے دو۔" آپی نے کہا۔ "جی ٹھیک ہے۔" تحریم خوش ہو گئی۔ رات کو وہ خدیجہ آپی کے ساتھ مل کر ایک خوبصورت سا قلم پیک کر رہی تھی۔ "آپی! ایمان بہت امیر ہے' کیا وہ میرا ہدیہ قبول کرے گی؟" تحریم نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"ہاں جب تمہاری محبت اور خلوص دیکھے گی تو کرے گی۔" آپی نے اُس کو تسلی دینے والے انداز میں کہا تو تحریم کے چہرے پر اطمینان کی لہر دوڑ گئی۔

***

تحریم' ایمان کے گھر میں اس کے ساتھ بیٹھی تھی۔

"ایمان! میں تمہارے لیے ہدیہ لائی ہوں۔" تحریم بولی۔

"واہ!" ایمان چہک کر کہنے لگی: "بہت بہت شکریہ!"

"یہ لو۔" تحریم نے اُسے خوبصورت پیکنگ والا چھوٹا سا ایک ڈبہ دیا۔

"واہ! بہت پیارا قلم ہے۔" ایمان نے ڈبہ کھول کر قلم نکالا تو بہت خوش ہوئی۔

"ایک بار پھر شکریہ پیاری سہیلی۔" تحریم بہت خوش تھی کہ اُس نے حدیث شریف پر عمل اور اپنی سہیلی کو خوش کیا ہے۔

فارم ہاؤس کی سیر

وفاق کے امتحان کی تیاری میں سب بچوں نے محنت کی تھی۔ 10 طلبہ کا اس سال امتحان تھا۔ اس کے بعد مدرسہ میں سالانہ امتحان ہوئے' جس کے بعد امام صاحب نے سب بچوں کو فارم ہاؤس جانے کی خوشخبری سنائی۔

جس صبح روانگی تھی' اس رات خوشی سے نیند ہی نہیں آئی۔ صبح 7 بجے گاڑی روانہ ہوئی۔ گاڑی میں ہنسی مذاق کرتے 8:45 پر ہم فارم ہاؤس پہنچے۔ سب سامان سیٹ کیا۔ فارم ہاؤس میں تین سوئمنگ پول' کرکٹ گراؤنڈ اور بہت سارے جھولے دیکھ کر ہم بچوں کی خوشی کی انتہا نہیں رہی۔ پانی دیکھتے ہی بچے سوئمنگ پول میں جانے کے لیے مچلنے لگے۔

امام صاحب نے سب کو جمع کر کے کچھ دیر بچوں سے بات چیت کی۔ پول میں جانے کے لئے سلائیڈز تھیں جن میں شاور لگا ہوا تھا۔ پول بے حد خوبصورت اور صاف ستھرا ماحول تھا۔ اساتذہ نے بھی بچوں کے ساتھ خوب کھیلا۔

تین گھنٹے تک پول میں مزہ کرنے کے بعد ہمیں ری فرشمنٹ کے لیے بلایا گیا۔ جس میں چائے کے ساتھ بہت ساری چیزیں تھیں۔ اساتذہ کے ساتھ پُر شفیق ماحول میں ری فرشمنٹ سے لطف اندوز ہوئے۔ چائے کا وہ ذائقہ شاید ہم کبھی نہ بھولیں۔

پھر سب بچے اچھلتے کودتے دوبارہ سوئمنگ پول میں چلے گئے۔ سب نے خوب شرارتیں کیں۔

پھر 2 بجے پول سے باہر آئے اور تمام طلبہ کو مزیدار بریانی اور کولڈ ڈرنک پیش کی گئی اور نماز ظہر ادا کی۔

اب کچھ بچے کرکٹ کھیلنے چلے گئے اور کچھ بچے واپس پول میں چلے گئے۔

ایسے ہی تفریح کرتے کرتے 5 بج گئے۔ اب امام صاحب نے بچوں کو پول سے باہر بلایا اور سب کو کپڑے تبدیل کرنے کا کہا اور باجماعت نماز عصر ادا کی گئی۔ سب بچے کھیلتے کھیلتے تھک چکے تھے مگر باز نہیں آ رہے تھے پھر سب سامان گاڑی میں رکھوایا اور واپسی کا سفر شروع ہوا اور ایک بے حد یادگار دن کا اختتام ہوا۔

یہ دن ہماری زندگی کا ایک یادگار دن ہے۔ شکریہ امام صاحب۔ شکریہ دار القرآن

حافظ عبد الواسع باسط

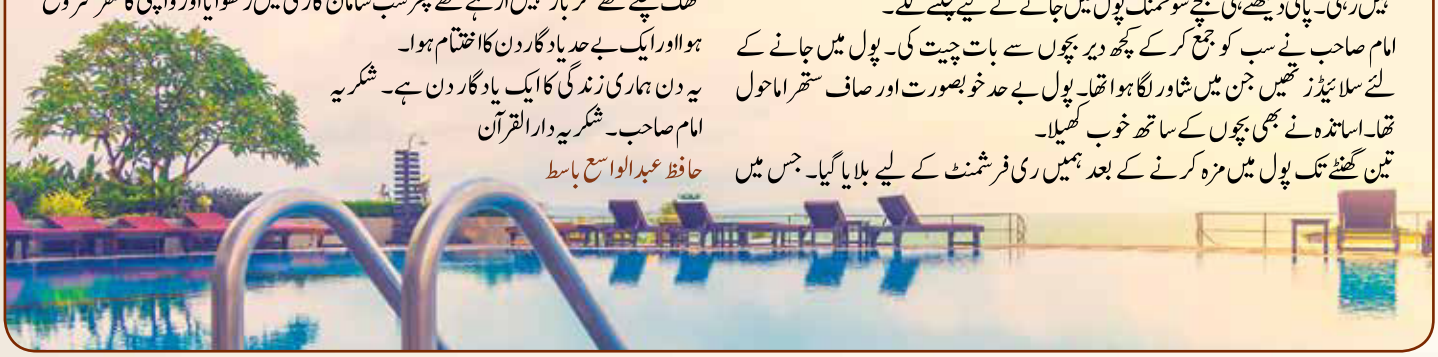

PERVAIZ UMAR
ENTERPRISE

Highly Experienced Clearing & Forwarding Agents
Advisors and Attorneys in Customs Cases

We are a leading CLEARING, FORWARDING concern operating in Pakistan. We excel to the entire satisfaction of our long list of clientele who have always reposted their complete confidence on us. Imbued with this sense of achievement, we are proud of our countrywide clientele of repute. We are approved and enlisted Clearing and Forwarding Agents of all Commercial and National Banks in Pakistan.

We have vast experience of handling more than 65% imports of Heavy Plants, Machinery and Turn-Key Projects of "Textile, Sugar, Cement and Power Sectors" besides other industrial raw material and commercial consignments, which have enabled us to adopt and handle all sorts of imports and have become our permanent business associates.

Head Office, Karachi

1st Floor, Commerce Centre, Hasrat Mohani Road
TEL: 021-32630724 - 32633641 FAX: 021-32633646
EMAIL: pervaizumar@hotmail.com
headoffice@pervaizumarenterprise.com

Branch Office, Lahore

19-G, Gulberg II, Lahore.
Tel: 042-35764929 - 35764933
Fax: 042-35764934

بچوں کے فن پارے

ہر ماہ ایک فن پارے پر 300 روپے انعام دیا جاتا ہے
گزشتہ مہینے عشنہ احمد کا فن پارہ انعامی قرار پایا (ادارہ)

محمد حذیفہ گلشن اقبال کراچی

مریم سمیع کلاس 4 دارارقم کراچی

ماہم فاروق کراچی

سارہ جنید، معہد الخلیل اسلامی، کراچی

نسیبہ علوی، 9 سال، کراچی

محمد عویمر علی

امیمہ عباسی

پیارے بچو!

کیا آپ جانتے ہیں محب وطن کسے کہتے ہیں۔۔۔۔؟؟؟

محب وطن کے معنی ہیں 'اپنے وطن سے محبت کرنے والا۔ یہ ایک فطری جذبہ ہے 'جو ہر انسان بلکہ ہر ذی روح میں پایا جاتا ہے جس سرزمین میں انسان پیدا ہوتا ہے 'اپنی زندگی کے شب و روز گزارتا ہے وہ سرزمین اس کا اپنا وطن کہلاتی ہے 'وہ خطہ ارض جہاں کسی کے عزیز و اقارب بستے ہیں جہاں اس کی پسندیدہ اور محبوب چیزیں ہوتی ہیں جہاں اس کا دل لگا ہوتا ہے جس جگہ کے در و دیوار کے ساتھ اس کی کئی یادیں وابستہ ہوتی ہیں اور جن گلیوں میں اس کے بچپن کے دن گزرے ہوتے ہیں 'وہ ان یادوں کو اپنی زندگی کا قیمتی سرمایہ سمجھتا ہے اور یہی محبت انسانی فطرت کا حسن ہے 'خالق کائنات نے اسے ایسا دل دے کے پیدا کیا ہے کہ وہ محبت کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔۔۔۔۔۔

تو پیارے بچو! جب ہمیں اپنے ملک اپنے وطن سے محبت ہو گی تو ہماری پوری کوشش ہو کہ ہم اپنی ذات سے وطن کو کسی قسم کا نقصان نا پہنچائیں۔۔۔ ہمیشہ اسے صاف ستھرا رکھیں وطن سے محبت فطری تقاضا ہے اور شرعی بھی۔ مشہور حکیمانہ جملہ ہے :

حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ
وطن کی محبت ایمان کا تقاضا ہے

حدیث سے بھی وطن سے محبت ایک فطری اور شرعی تقاضا ہونا معلوم ہوتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں : جب حضور نبی کریم ﷺ کسی سفر سے آتے تو مدینہ شریف کی اونچی منزلیں دیکھ کر خوش ہوتے اور اونٹنی تیزی سے اس کی طرف دوڑا دیتے تھے 'اور اگر کوئی دوسرا جانور ہوتا تو اس کو حرکت دیتے۔۔۔۔۔۔۔۔

تو پیارے بچے۔۔۔ کرتے ہیں نا اپنے وطن سے محبت کے تقاضوں کو پورا کرنے کا وعدہ!!!

اگست 2021ء کے سوالات

سوال نمبر 1۔ حمزہ کی چوری کیا تھی؟

سوال نمبر 2۔ عکاشہ کے تایا کہاں سے آئے تھے؟

سوال نمبر 3۔ بجلی کی کڑک والی سورت کون سی ہے؟

سوال نمبر 4۔ موٹر اور فرش کیوں پریشان تھے؟

سوال نمبر 5 بیزو بندر کس سے حسد کرنے لگا تھا؟

مئی 2021ء کے سوالات کے جوابات

جواب نمبر 1 : اس سے مچھلی جانداروں کی موجودگی کو محسوس کرتی ہے۔۔

جواب نمبر 2 : جنگل کا خوبصورت گھر۔۔۔

جواب نمبر 3 : اس لیے کہ کاغذ اچھا نہیں تھا۔

جواب نمبر 4 : وہ کھانے کی چیزیں ادھوری چھوڑ دیتی تھی۔۔۔

جواب نمبر 5 : آسمانی بجلی گرنے سے۔

سنیے!!!

انعامی سوالات کے جوابات بھیجیں یا فن پارہ

اپنا نام 'عمر 'کلاس اسکول 'مدرسے کا نام اور رابطے

کے لیے موبائل نمبر ضرور لکھیں

یہ جوابات اور فن پارہ وٹس ایپ کرنے کے لیے

نمبر نوٹ کر لیں

03162339088

بلا عنوان کا عنوان

مئی 2021ء میں بنت عامر کی بلا عنوان شائع ہونے والی کہانی کے لیے کراچی سے محترمہ ام سلمان کا عنوان انعامی قرار پایا ہے۔ انہوں نے عنوان دیا ہے

"فرسودہ لکیر"

انہیں 300 روپے مبارک ہوں

مئی 2021 کے سوالات کے درست جوابات دینے پر

آئمہ بخاری کو شاباش

انہیں 300 روپے مبارک ہوں

عالیشان پاکستان

جوہر عباد

پاک سرزمینِ خداداد پاکستان
کشورِ حسین شاد باد پاکستان
شاعرِ مشرق کی ہے مراد پاکستان
قائد کی تنظیم و اتحاد پاکستان
14اگست ہے تاریخِ آباد پاکستان
اُنیس سو سینتالیس سنِ آزاد پاکستان
پرچم سبز ستارہ و ہلال پاکستان
رہبرِ ترقی و کمال پاکستان
پاک سرزمین کا نظام پاکستان
قوتِ اخوتِ عوام پاکستان
قوم ملک سلطنت، تابندہ پاکستان
اقوامِ عالم میں ہے رخشندہ پاکستان
ہے نشانِ عزمِ عالیشان پاکستان
اُردو ہے فخرِ قومی زبان پاکستان
خیبر پختونخواہ، بلوچستان پاکستان
سندھ، پنجاب، گلگت بلتستان پاکستان
ترجمانِ ماضی، شانِ حال پاکستان
جانِ استقبال و استقلال پاکستان
ایٹمی قوت کا ہے شاہکار پاکستان
پاکستانیوں کا افتخار پاکستان
جوہر دنیا میں ہے بے مثال پاکستان
سایۂ خدائے ذوالجلال پاکستان

اسلامی دستور

جناب زکی کیفی رحمۃ اللہ علیہ

اسلام کی بنیاد پر یہ ملک بنا ہے : اسلام ہی اس ملک کا سامانِ بقا ہے
بنیاد پر قائم نہ رہے گا تو فنا ہے: دنیا کی نگاہوں سے نہیں بات یہ مستور
ہم لائیں گے اس ملک میں اسلام کا دستور

اب رات کٹی ظلم کی، آئے گا سویرا : پھیلے گی ضیا نور کی، بھاگے گا اندھیرا
ہوجائے گا ہر سمت اُجالوں کا بسیرا : سرخی جو اُفق پر ہے وہ ہوجائے گی کافور
ہم لائیں گے اس ملک میں اسلام کا دستور

قانونِ الٰہی نہ ٹلا ہے، نہ ٹلے گا : ہر اِزم کے خورشید کو ڈھلنا ہے، ڈھلے گا
اس ملک میں اسلام کا سکہ ہی چلے گا : بن جائے گی یہ پاک زمیں جلوہ گہِ طور
ہم لائیں گے اس ملک میں اسلام کا دستور

اچھائی کو پھیلائیں گے، روکیں گے برائی : چلنے نہیں دی جائے گی بندوں کی خدائی
جتنے بھی مسلمان ہیں آپس میں ہیں بھائی : اللہ کا یہ حکم ہے ہم لوگ ہیں مامور
ہم لائیں گے اس ملک میں اسلام کا دستور

اسلام سکھاتا نہیں انساں کو دو رنگی : اس کے لیے یکساں ہیں وہ ابیض ہو کہ زنگی
تہذیب ہماری ہے نہ روسی نہ فرنگی : بہتا ہوا یہ زخم، وہ رِستا ہوا ناسور
ہم لائیں گے اس ملک میں اسلام کا دستور

اسلام کی تعلیم یہاں عام کریں گے : سب کا ہو بھلا جس میں وہ ہی کام کریں گے
سب مل کے ترقی کے لیے کام کریں گے : افسر ہو کہ تاجر ہو وہ آقا ہو کہ مزدور
ہم لائیں گے اس ملک میں اسلام کا دستور

اسلاف کی ہم زندہ روایات کریں گے : راضی ہو خدا جس سے وہی بات کریں گے
اس ملک میں قائم وہ مساوات کریں گے : سب شاہ و گدا آئیں نظر خُرم و مسرور
ہم لائیں گے اس ملک میں اسلام کا دستور

دولت کا یہاں کوئی پجاری نہ رہے گا : انسان کا انسان شکاری نہ رہے گا
جاری ہے جو اب ظلم یہ جاری نہ رہے گا : ظالم نظر آئے گا نہ مظلوم نہ مقہور
ہم لائیں گے اس ملک میں اسلام کا دستور

آزاد تجارت کو نہ پابند کریں گے : ہاں سود کے بازار کو ہم بند کریں گے
ہم عزت و توقیر ہنر مند کریں گے : محنت جو کرے گا وہ صلہ پائے گا بھرپور
ہم لائیں گے اس ملک میں اسلام کا دستور

دولت کو بکھیریں گے سمٹنے نہیں دیں گے : ہاتھوں میں امیروں کے ہی بٹنے نہیں دیں گے
ہم جادۂ انصاف سے ہٹنے نہیں دیں گے : ہو جائیں گے خوش حال جو بدحال ہیں مزدور
ہم لائیں گے اس ملک میں اسلام کا دستور

اسلام محبت بھی ہے اخلاص و وفا بھی : تسکین دل و جاں بھی ہے چہروں کی ضیا بھی
ہر درد کا درماں بھی ہے پیغام شفا بھی : کردار ہی کردار ہے اسلام کا منشور
ہم لائیں گے اس ملک میں اسلام کا دستور

گلدستہ

ترتیب وپیش: عبدالرحمن چترالی، شیخ ابو بکر، متعلم جامعہ بیت السلام، کراچی

مناجات

نہیں مجھ سا کوئی خطاکار یارب
میں عاصی ہوں اور تُو ہے غفّار یارب
تُو رحمٰن ہے، تُو ہے ستّار یارب
تجھے اپنے بندوں سے ہے پیار یارب
ترے ذکر میں ہے مگن ذرّہ ذرّہ
تری حمد کرتے ہیں کوہسار یارب
مسلسل تعاقب میں طوفانِ غم ہے
مری کشتیٔ زیست ہو پار یارب
کرم ہو کرم مجھ گناہ گار پر بھی
ترے فضل کا ہوں طلب گار یارب
ضیا تُو نے بخشی ہے ظلمت کدوں کو
مرا دل بھی کردے ضیا بار یارب
مجھ عاصی عطا پر نوازش ہو یُوں ہی
کہوں حمد کے یُوں ہی اشعار یارب

شاعر: عطا علوی انتخاب محمود الرشید

میرے ہم وطن!

ہم وطن یہ گلستاں تیرا بھی ہے میرا بھی ہے
اس کا ہر سود و زیاں تیرا بھی ہے میرا بھی ہے
قائد اعظم کی کہتے ہیں امانت ہم جسے
ورثہ یہ اے مہرباں تیرا بھی ہے میرا بھی ہے
وقت کا ہے یہ تقاضا متحد ہو جائیں ہم
کب سے دشمن آسماں تیرا بھی ہے میرا بھی ہے
سوچ تو گلشن کی بربادی کا کیا ہو وے گا حال
شاخِ گل پر آشیاں تیرا بھی ہے میرا بھی ہے
آبِ راوی ہو کہ آبِ سندھ ہے سب کے لیے
دامنِ موجِ رواں تیرا بھی ہے میرا بھی ہے
ہیں محبت کے نقیب اقبال و خوشحال و لطیف
ان کا فیضِ بیکراں تیرا بھی ہے میرا بھی ہے

شاعر: راغب مرادآبادی انتخاب: عامر مراد

نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم

خوش خصال و خوش خیال و خوش خبر، خیر البشر ﷺ
خوش نژاد و خوش نہاد و خوش نظر، خیر البشر ﷺ
دل نواز و دل پذیر و دل نشین و دل کشا
چارہ ساز و چارہ کار و چارہ گر، خیر البشر ﷺ
سر بہ سر مہر و مروت، سر بہ سر صدق و صفا
سر بہ سر لطف و عنایت، سر بہ سر خیر البشر ﷺ
صاحبِ خلقِ عظیم و صاحبِ لطفِ عمیم
صاحبِ حق، صاحبِ شق القمر، خیر البشر ﷺ
کارزارِ دہر میں وجہِ ظفر، وجہِ سکوں
عرصۂ محشر میں وجہِ درگزر، خیر البشر ﷺ
رونما کب ہوگا راہِ زیست پر منزل کا چاند
ختم کب ہوگا اندھیروں کا سفر، خیر البشر ﷺ
کب ملے گا ملتِ بیضا کو پھر اوجِ کمال
کب شبِ حالات کی ہوگی سحر، خیر البشر ﷺ
در پہ پہنچے کس طرح وہ بے نوا، بے بال و پر
اک نظر تائب کے حالِ زار پر، خیر البشر ﷺ

شاعر حفیظ تائب: انتخاب: ثمینہ فہیم

علماء کا کردار

تحریک پاکستان کو حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، شیخ الاسلام مولانا شبیر احمدؒ عثمانی، حضرت مولانا ظفر احمدؒ عثمانی اور دیگر سربرآوردہ علماء کرام کی تائید وحمایت حاصل رہی۔ حکیم الامت تھانویؒ کی حمایت اور سرحد اور سلہٹ کے ریفرنڈم میں حضرت مولانا شبیر احمدؒ عثمانی اور حضرت مولانا ظفر احمدؒ عثمانی کی خدمات کا اعتراف خود بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ نے اس وقت کے قومی پریس میں واضح طور پر کیا۔ اور ان کی خدمات کے عملی اعتراف کے طور پر پاکستان کا جھنڈا کراچی میں علامہ شبیر احمدؒ عثمانی اور ڈھاکا میں مولانا ظفر احمدؒ عثمانی کے ہاتھوں سب سے پہلے لہرایا گیا۔ (مولانا زاہد الراشدی کے کالم سے فاروق احمد کا منتخب اقتباس)

پاکستان اسلامی ریاست ہے

بعض لوگ کہتے ہیں کہ قائداعظم اسلامی نہیں مسلم ریاست بنانا چاہتے تھے اور قائداعظم کے متعلق یہ کہنا کہ وہ سیکولر ریاست قائم کرنا چاہتے تھے تو انہوں نے 1948 میں اسٹیٹ بنک کا سنگ بنیاد رکھتے ہوئے پاکستان میں اسلام کے مطابق غیر سودی بینکاری پر زور دیا اور فروری 1948 کو گورنر کی حیثیت سے عوام سے خطاب کے دوران ان پر واضح کیا کہ پاکستان اسلام کے ابدی اصولوں کے مطابق عوام کے نمائندوں کے ہاتھوں تشکیل دیا جائے گا۔ اسلام کی برتری بیان کرتے ہوئے بابائے قوم نے کہا کہ 1300 سال سے جاری وساری تقسیم کے بعد ہندوستان، پاکستان دو آزاد ریاستوں کی حیثیت سے وجود میں آگئے۔ دونوں میں مسلم، غیر مسلم اقلیتیں موجود ہیں، ان کی شہریت پاکستانی، ہندوستانی ہے۔ اس پر صحافی نے سوال کیا کہ اس سے دو قومی نظریے کی نفی تو نہیں ہوتی؟ تو قائداعظم نے کہا کہ ہرگز نہیں اب دو قومی نظریہ خیالی نہیں بلکہ حقیقی نوعیت اختیار کرے گا۔ چوں کہ اس کی بنیاد پر دو ریاستیں وجود میں آئی ہیں۔ (ماخوذ از مضمون حکیم اختر صاحب رحمہ اللہ، روزنامہ اسلام 14 اگست 2013، انتخاب فضل اللہ)

تحریک پاکستان کی تائید میں علمائے کرام کا پہلا قدم

1937 میں صوبائی انتخابات کے بعد جب کانگریس نے چھ صوبوں میں وزارتیں قائم کیں تو مسلم لیگ اور کانگریس میں بڑے پیمانے پر سیاسی جنگ شروع ہوئی۔ایسے نازک موقع پر مسلم لیگ کو جمہور مسلم میں اپنی آواز اور اثر قائم کرنے کے لیے مقتدر اور معروف علماء کی تائید و حمایت کی ضرورت تھی' قدرت نے یہ تاریخی رول مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے لیے مخصوص کر دیا تھا اور اس مہم کو سر انجام دینے میں انہیں مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تائید حاصل تھی۔حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم لیگ اور تحریک پاکستان کو مسلم عوام میں مقبول کرانے میں عظیم کارنامہ انجام دیا۔

(ڈاکٹر عادل خان رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف اسلامی جمہوریہ پاکستان سے محمد احمد کا انتخاب)

بڑی کامیابی

انگریزی کے ایک شاعر نے کہا ہے ”جس شخص کو دنیا میں بڑا آدمی بننا ہوتا ہے' وہ اس وقت کام میں مصروف رہتا ہے جس وقت عام لوگ سو رہے ہوتے ہیں۔“ مطلب یہ ہے کہ ایسا آدمی صرف عام وقتوں میں ہی کام نہیں کرتا بلکہ اس وقت بھی کام کرتا ہے' جب لوگ اپنے کام سے فارغ ہو کر آرام کر رہے ہوتے ہیں۔وہ لوگوں سے زیادہ کام کرتا ہے' اس لیے وہ لوگوں سے زیادہ ترقی حاصل کرتا ہے۔یہ ایک حقیقت ہے کہ زیادہ بڑی کامیابی ہمیشہ زیادہ بڑی محنت کا نتیجہ ہوتی ہے۔(راز حیات سے عبد المنعم کا انتخاب)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والا غم اور ہم

اس دنیا میں 6 ارب کے قریب انسان ہیں جس میں سے 1/4 مسلمان ہیں۔پونے 5 ارب کافر ہیں۔ان سوا ارب مسلمانوں کے بارے میں اہل علم نے تحقیق کی تو پتا چلا ان میں 20-15 فیصد نماز پڑھتے ہیں بقیہ 85 فیصد سے زائد بے نمازی ہیں ان 20-15 فیصد نمازیوں میں کتنے صحیح سنت کے مطابق نماز پڑھتے ہیں۔ان کا اندازہ آپ خود لگالیں۔اب یہ کتنی فکر کی بات ہے۔اربوں انسان کفر پر زندگی گزار رہے ہیں۔ان کا آخرت میں کیا بنے گا۔ایک بات تو طے شدہ ہے وہ یہ کہ اگر تمام انبیاء بھی مل کر کسی کافر کو جہنم کی آگ سے بچانا چاہیں تو بچا نہیں سکتے۔آج ہمیں وہ امت کی فکر نہیں ہے جو ہونی چاہیے۔(علامت محبت سے انعام مومن کی پسند)

غیبت کا خمیازہ

حضرت سعد بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' آدمی بہت سی نیکیاں کرے گا اور اسے اپنے اعمال نامے میں نہ دیکھے گا تو دریافت کرے گا کہ ”اے پروردگار! میری نیکیاں کہاں ہیں؟“ حکم ہوگا کہ ”تو نے اپنی نیکیاں ان لوگوں کے پاس پہنچا دی ہیں' جن کی غیبت کرتا تھا۔“

(کتاب مخزن اخلاق : مصنف مولانا رحمت اللہ سبحانی' پسند : فرحان نعیم)

عقل سلیم کا فیصلہ

عقل کہتی ہے کہ احسان پرستی کرنے والوں کو اس کا صلہ ملے لیکن نہیں ملا۔ظالموں کو اُن کے مظالم کی سزا ملنا چاہیے مگر وہ پھلے پھولے۔اُن کو سزا نہیں ہوئی چناں چہ ایک ایسا جہان ماننا پڑے گا اور ایک خالق کائنات کا وجود تسلیم کرنا پڑے گا جو مرنے کے بعد اپنے محسنوں کو احسان کا بدلہ دے اور انعام و اکرام سے نوازے تاکہ وہ اپنے کیے پر خوش ہوں۔یہ خلافِ عقل ہے کہ مزدور کو مزدوری نہ ملے۔اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ وہ خالق کل ان ظالموں کو ان کے مظالم پر سزا دے جو عمر بھر غریبوں کو ستاتے اور اُن کا خون چوستے رہے۔یہاں تو ان کو کسی نے نہ پکڑا اور وہ متعدد مظلوموں اور بے گناہوں کو ستا کر' خون چوس کر بلکہ مار کر ختم ہو گئے۔انصاف کا تقاضا اور عقل سلیم کا فیصلہ یہی ہے کہ روز جزا قائم ہو تاکہ ہر ایک کو اپنے کیے کا بدلہ ملے۔بدلہ لینے والے' حساب کرنے والے اور فیصلہ کرنے والے کو ماننے بغیر چارہ نہیں۔بغیر کسی شک وشبہ کے وہ اب بھی موجود ہے' اگر موجود نہ ہو تو اسے یہ کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ کس نے کیا کیا ہے' لہٰذا وہ ہمیشہ سے موجود رہے گا۔

(خدا کیا ہے؟ سے محمد احمد نے منتخب کی)

خدمت کے عالمی ادارے
بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ کے زیر اہتمام وانتظام
جید علماء کرام کے زیر نگرانی

مثالی وقف قربانی

رپورٹ: خالد معین

اللہ تعالی نے اہل خیر کے اموال میں فقراء، مساکین، یتامی اور ضرورت مندوں کا بھی حصہ رکھا ہے، کہیں زکوۃ، عشر اور صدقۃ الفطر کی شکل میں، کہیں عمومی صدقے کے عنوان سے کہیں چرم قربانی کی صورت میں اور کہیں قربانی کے گوشت کی شکل میں یوں تو عید الاضحی کے موقع پر قربانی کرنے والا ہر شخص کسی نہ کسی مقدار میں اپنی قربانی کا گوشت فقراء ومساکین اور مستحقین تک پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن سلام ہے اخلاص کے پیکران اہل خیر کو جو وقف قربانی میں حصہ لیتے ہیں۔ وہ گوشت کی طلب رکھتے ہیں، نہ سری پائے کا تقاضا کرتے ہیں، انہیں مغز اور چانپ کی خواہش ہوتی ہے، نہ ہی دل گردے اور کلیجی میں حصہ چاہتے ہیں۔ ان کی نظر صرف رضائے الہی پر ہوتی ہے جس کے لیے وہ سراپا خدمت بنے ہوتے ہیں۔

وقف قربانی کہنے کو دو لفظ ہیں، لیکن دیکھا جائے تو ان دو لفظوں میں اخلاص، دیانت داری، محنت مشقت، اعتماد اور خلوص کا ایک جہاں آباد ہے، اہل خیر اعتماد و بھروسا کرتے ہیں اور وقف قربانی کا انتظام کرنے والے سراپا خدمت اور محنت بنتے ہیں تو یہ عمل انجام پاتا ہے۔ بے مثال خدمت کا عالمی ادارہ بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ گزشتہ کئی سال سے وقف قربانی کا اہتمام کر رہا ہے اور پاکستان کی دور دراز اور پس ماندہ بستیوں میں لاکھوں لوگوں تک گوشت پہنچانے کے انتظامات کرتا ہے۔ 2017 سے اہل شام، مظلوم روہنگیاؤں اور اس سال باقاعدہ اہتمام سے فلسطین کے مظلومین کے لیے بھی قربانیوں کا اہتمام کر رہا ہے۔ الحمد للہ ہر سال اہل خیر کے اعتماد اور بھروسے میں اضافہ ہو رہا ہے۔ چناں چہ گزشتہ سال تقریبا 42 لاکھ افراد تک پہنچا۔

وقف قربانی کے انتظامات پر ایک نظر ڈالی جائے تو پتا چلتا ہے، قربانی کے تین دنوں میں کیے جانے والے اس مبارک عمل کی تیاری ڈیڑھ سے دو مہینا پہلے شروع کرنا پڑتی ہے۔ بڑے پیمانے پر جانوروں کی خریداری، ان کی دیکھ بھال کے انتظامات کیے جاتے ہیں۔ جانوروں کی قیمت اور ان کی دیکھ بھال پر آنے والے اخراجات کے لیے دیانت داری پہلی ترجیح ہوتی ہے۔ ہزاروں رضاکار دن رات اور موسم کی سختی کی پروا کیے بغیر اللہ کے بندوں کی خدمت میں مصروف رہتے ہیں۔

بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ کی وقف قربانی بلاشبہ بہت مثالی ہوتی ہے۔ رقم جمع کروانے سے لے کر بچی ہوئی رقم کی واپسی تک۔ جانوروں کی خریداری سے لے کر گوشت کی تقسیم تک۔ سینکڑوں مراحل اور مسائل جس جاں فشانی، محنت اور ہمت سے انجام دیے جاتے ہیں۔ یقینا یہ سب کچھ محض اللہ کے فضل و کرم سے ہی ممکن ہوتا ہے۔ اس وقت جب یہ سطور لکھی جاری ہیں 1442ھ کی عید الاضحیٰ پہ ہونے والی وقف قربانیوں کے لے اہل خیر رقوم جمع کروا رہے ہیں اور بیت السلام کا مستعد عملہ اور رضاکار انتظامات کو حتمی شکل دینے میں مصروف ہیں۔ اس ساری خدمت کی تفصیلی رپورٹ ان شاء اللہ اگلے مہینے کے شمارے میں شائع ہوگی۔

J.
FRAGRANCES

Nurettin Sönmez
DEFENDER
SAVUNUCU

THE AROMA
OF GLORY

www.junaidjamshed.com J.Fragrances.Cosmetics J.Fragrances.Cosmetics J_Frag_Cos J.JunaidJamshed

یتیموں کا سائبان
بیت السلام

بیت السلام کر رہا ہے یتیم بچوں کی کفالت آپکے
تعاون سے آئیں اس نیک کام
میں ہمارا ساتھ دیں

ضروریات:

- کرنٹ پاسپورٹ سائز بچوں کی تصویر
- بے فارم
- سی این آئی سی ماں اور باپ کی کاپی
- والد کا ڈیتھ سرٹفیکیٹ
- اسکول مارک شیٹ /اسکول کارڈ

شرائط:

- عمر 12 سال سے کم ہو
- بچہ اسکول کا طالبِ علم ہو

Address:
Baitussalam Imdadi Markaz,Mezzanine Floor,Chapal Beach Arcade III, Clifton Block 4, adjacent to Imtiaz super store and oppositeHyperstar Carrefour super store Karachi.
(For Karachi Residents Only)

+92 333 4632340

+92 021 35290156